اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

27 کتابچہ نمبر

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 27

(ذی القعدہ۔1446ھ) بمطابق (الرضوان۔ خیبر۔1403 شمسی ہجری)
بمطابق (مئی۔2025ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991 / 1 ۔بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر 4۔نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد۔ویسٹرج 3 ۔راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	دعا	5
3	نعت رسول اکرم ﷺ	7
4	کلام	8
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	9
6	جمعہ کا بیان(حج قربانی اور خانہ کعبہ۔۔۔۔)	14
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	28
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	46
8	توضیح المعارف(قسط 13)	70
9	خانقاہ کے شب و روز	73

دیباچہ

الحمد للہ! اللہ پاک کا شکر ہے کہ شاہرائے معرفت کا ستائیسواں شمارہ مختلف مضامین پر مشتمل آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

اس شمارے کی ابتدا حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک عارفانہ کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں پہلا "مطالعہ سیرت" کے عنوان سے ہے اس میں اس اہم سوال پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کیا عربوں کا مذاق اڑانا نبی کریم ﷺ کی نسبت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے؟ بیان میں نبی کریم ﷺ کی عربوں سے محبت کی تین بنیادیں بیان کی گئیں اور واضح کیا گیا کہ کسی بھی قوم یا فرد کا تمسخر شریعت میں ممنوع ہے۔ اصل معیار اعمال ہیں، نہ کہ قومیں یا نسلیں۔ سوشل میڈیا کے غیر محتاط استعمال، اور عربوں کے بارے میں غلط فہمیوں پر بھی مدلل گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا مضمون "حج، قربانی اور خانہ کعبہ کی فضیلت: روحانی سفر اور عبادات کی اہمیت" کے عنوان سے ایک اصلاحی بیان ہے جس میں خانہ کعبہ کی فضیلت اور حج کے روحانی پہلوؤں کا بیان ہے جو ہمیں اس عظیم عبادت کی اصل حقیقت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

حج کا حقیقت میں روحانی اور ایمانی سفر ہونا، جس میں انسان اپنی توبہ اور عاجزی پیش کرتا ہے، بہت اہم ہے۔ عرفات کا دن واقعی روحانی ترقی اور

مغفرت کا دن ہے، اور اس دن کی اہمیت پر زور دینا بہت ضروری ہے تاکہ مسلمان اپنی عبادت کو صحیح طریقے سے ادا کر سکیں۔ قربانی کے بارے میں بتایا گیا ہے جس میں گوشت کے تین حصوں کی تقسیم کا ذکر ہے، اس سے نہ صرف عبادت کی اہمیت بڑھتی ہے بلکہ معاشرتی تعلقات میں محبت اور تعاون کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد توضیح المعارف جو کہ قسط وار اس رسالے میں چھپ رہی ہے، اس بار اس کا موضوع معرفت الٰہی اور حبِ جبروتی سے متعلق ہے۔ یہاں بات کی جارہی ہے کہ کائنات کے ظاہری اور باطنی جہانوں کے درمیان ربط حبِ جبروتی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ اس محبت کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے اور یہ ہر قسم کی تغیر پذیر محبت سے پاک ہے۔ اس محبت کو عقل اور جذبے کی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے، جیسے کمپیوٹر کے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کے درمیان رابطہ۔

اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنی ذات کی محبت کو ترک کرکے اللہ کی محبت کو اپنانا ہوتا ہے تاکہ وہ لاہوت کی محبت تک پہنچ سکے۔ اس مقصد کے لیے تین مراحل ہیں: اپنی ذات کی محبت کو شیخ کی محبت کے تابع کرنا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ڈوبنا، اور آخرکار اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچنا۔

اس شمارے میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔ جس میں عزلت (گوشہ نشینی) کی شرائط، وقت کی قدر، روحانی اثر پذیری کی وجوہات اور اہل اللہ سے نسبت و تبرک کے فوائد

کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ تنہائی اختیار کرنے سے پہلے حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے، وقت کی ناقدری انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے، بعض سالکین میں دیر سے روحانی اثر آتا ہے جس کا علاج توجہ یا مجاہدہ ہے، اور اہلِ دل کے لباس و تعلقات سے قلبی سکون (سکینہ) حاصل ہوتا ہے۔ یہ نصیحتیں طالبینِ سلوک کے لیے نہایت راہنما اور مفید ہیں۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس کتاب میں محو، فنا، بقا اور ان کی تشریحات کی وضاحت کی گئی ہے۔ محو تین قسم کا ہوتا ہے: ذات کا ظواہر سے محو، غفلت کا ضمیر سے محو، اور غیبت کا اسرار سے محو۔ فنا کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ یہ بد عادتوں کا خاتمہ اور اچھے اوصاف کا قائم رہنا ہے۔ صفاتِ مذمومہ کا زوال اور صفاتِ محمودہ کا دوام فنا اور بقا کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ نفس کی خواہشات، لذات اور ضروریات کے دائرے میں رہنا اور ان سے بچنا ضروری ہے تاکہ بقا کی حالت حاصل کی جاسکے، جو کہ اللہ کے لئے عمل کرنے سے ممکن ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ رسالے کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیت اور آرا سے مطلع فرمائیں۔ اللہ پاک اس کو ہم سب کے نافع اور اپنی تعلق کا ذریعہ بنائیں۔ آمین!

خانقاہ رحکاریہ امدادیہ، راولپنڈی

دعا

حمد و تسبیح زبان پر ہو صبح شام یا رب
زباں پہ ذکر کے اجراء کو سمجھیں کام یا رب

اپنے ماضی کے گناہوں پہ استغفار کریں
لباسِ عجب و تکبر کو تار تار کریں

عاجزی تجھ کو ہے پسند اس کو اختیار کریں
تری پہچان کے واسطے دل کو بیدار کریں

خوش اسلوبی سے ہوان سب کا انتظام یا رب
حمد و تسبیح زبان پر ہو صبح شام یا رب

سب کو اب چھوڑ کر تجھ سے ہی دوستی کرلیں
جو تو چاہتا ہے ہم سے صرف ہم وہی کرلیں

جس سے ناراض ہوتا تو ہے، ہم نہیں کرلیں
سامنے تیرے قلب و ذہن سلامی کرلیں

تو دے توفیق، ہو ان سب کا اہتمام یا رب
حمد و تسبیح زبان پر ہو صبح شام یا رب

جو ہے خانقاہ کی یہ خدمت قبول ہوجائے
راستہ اس کو ملے تیرا جو یہاں آئے

ہو یہ محفوظ، پڑیں اس پر نہ اب برے سائے
آخرت میں ہے یہ قبول، یہ تو فرمائے

قبول سب کو ہو شبیرؔ کا یہ پیغام یا رب
حمد و تسبیح زبان پر ہو صبح شام یا رب

کتاب: فکرِ آگہی

نعت شریف

حب رسول

اُمت کا درد اصل میں حبِ رسول ﷺ ہے
جب کام یہ بڑا ہے اس سے کیوں زہول ہے

جب تک نہ سارے لوگوں سے پیارے ہوں محمد ﷺ
کچھ بھی نہیں گفتار کا عبث ہی طول ہے

اُمت کے لیے سوچنے اور فکر میں رہنا
منشائے الٰہی ہے خدا کو قبول ہے

سنت کے طریقے پہ ہمہ وقت ہم چلیں
ہر کام ہے خراب، اگر اس میں جھول ہے

اصلاح اپنے نفس کی قرآن سے ثابت
اور قلب حدیث میں اس کا اصل الاصول ہے

فکرِ اُمت نصیب ہو اصلاحِ نفس کے بعد
شبیرؔ ٹھیک ہے ، یہ گر نہ ہو توبھول ہے

کتاب: پیغامِ محبت

کلام

مِٹوں اس کے لیے

مٹایا پیار سے مجھے یوں کہ مٹوں اس کے لیے
اور مٹتے مٹتے لٹتے پٹتے بنوں اس کے لیے

موم ہوں موم کی طرح تو پگھل جاؤں میں
پھر وہ جلائے تو میں کیوں نہ جلوں اس کے لیے

عشق آتش ہے لگے تو وہ بجھائے نہ بجھے
اسی آتش ہی میں میں کیوں نہ رہوں اس کے لیے

نظر کرم کی تھی اس کی جو پڑی مجھ پہ یوں
نور ہی نور ہوا نور ہی ہوں اس کے لیے

وفا یہی ہے کہ دیکھوں وہ ہے راضی کس پر
اور اس کو دیکھ کے سب کچھ میں کروں اس کے لیے

خون روتی ہیں یہ آنکھیں مری دیدار کے لیے
آنکھیں ہیں اس کے لیے کیوں نہ رؤوں اس کے لیے

چھلک چھلک جائے ساغر مری نظروں سے مگر
دل شبیرؔ چاہتا ہے اور بھروں اس کے لیے

کتاب: پیغامِ محبت

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ﴿﴾ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

سوال:

آپ ﷺ نے فرمایا تم عربوں سے تین وجہ سے محبت کرو، میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہو گی۔ آج کل Social media پر مختلف قسم کے لطیفے آتے رہتے ہیں جن میں بعض لطیفوں میں عربوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کیا اس قسم کے لطیفے آپ ﷺ کی ایک نسبت کا مذاق اڑانا نہیں ہے؟ کیا اس قسم کے لطیفوں پر تائیداً ہنسنا یا اس قسم کے لطیفے پھیلانا خطرے کی بات نہیں ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ہم صرف تفریح کے لئے کرتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟

جواب:

یہ تو آپ نے عربوں کے متعلق پوچھا ہے تو جیسا کہ ابھی اس حدیث شریف سے پتا چلا کہ عرب تو اونچے لوگ ہیں۔ لیکن عام لوگوں کا بھی مذاق نہیں اڑایا جا سکتا، اس کو استہزاء کہتے ہیں، استہزاء کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی اختیاری طور پر غلط کام کر رہا ہو تو اس اختیاری کام کی مخالفت کرو، اس کرنے والے کی مخالفت نہ کرو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران: 61) جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ تو جو بھی جھوٹا ہو گا اس کے اوپر لعنت پڑ جائے گی، لیکن یہ کسی کو نام بنام نہیں ہے اور قوم کے لحاظ سے نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کے اندر بڑے اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے لوگ بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اگر قوم کے لحاظ سے آپ بات کریں گے تو ان سب کے خلاف بات جائے گی۔ تو ان میں جو اچھے لوگ ہوں گے ان کے اوپر بھی وہ بات پڑے گی اور اس کا وبال اس طرح کہنے والے کے سر ہو گا۔ اس وجہ سے کسی بھی قوم

کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ جیسے مختلف لوگ آپس میں خوش گپیاں کرتے ہیں، تو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ویسے آپس میں بے تکلفی ہو تو اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ اس کو limit میں رکھنا چاہیے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ مذاق اڑانا کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا اس میں مذاق کی نیت نہ ہو، کیونکہ مذاق کسی بھی قوم کا نہیں اڑایا جا سکتا۔

باقی Social media پر اس قسم کی جو چیزیں آتی ہیں تو Social media کے استعمال میں جو سب سے بڑی requirement ہے وہ یہی ہے کہ اس کے شر سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ جو اس کے شر سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا اس کے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اس پر فتوی دیا ہے۔ لہذا جو اس کے شر سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی استعمال کرنا چاہے تو اس کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔ جیسے گاڑی ہے، گاڑی کے اندر وہی بیٹھے جو گاڑی کو صحیح چلا سکتا ہو، اگر گاڑی کو صحیح نہیں چلا سکتا، کسی کے ساتھ ایکسیڈنٹ کر دے تو ظاہر ہے صرف اپنی گاڑی کا نقصان نہیں کرے گا، دوسرے کا بھی کرے گا۔ اس بنیاد پر گاڑی کا چالان ہو سکتا ہے کہ اس کو چلانے کا طریقہ نہیں آتا۔ license کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس میں تمام اشارے اور دیگر تمام چیزوں کو check کیا جاتا ہے کہ آیا اس کو گاڑی چلانا آتی بھی ہے یا نہیں۔ لہذا اس کی پوری طرح تحقیق کر کے license دیا جاتا ہے۔ Social media میں اگرچہ ابھی تک license کا طریقہ تو وجود میں نہیں آیا لیکن بہر حال اللہ پاک کے ہاں تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اسے استعمال کرتا ہے اس کو خیر کے لئے استعمال کرے، شر کے لئے استعمال نہ کرے۔ یہاں جو عرب حضرات کے متعلق پوچھا گیا ہے تو میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ ہم جب حج کے موقع پہ مکہ مکرمہ جاتے تھے تو وہاں ہمارے ایک ساتھی ہیں ان کے ساتھ میں ٹھہرتا تھا، انہوں نے مجھے ایک عجیب بتائی ہے۔ فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں بہت سارے لوگ آئے ہوئے ہیں، ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں، پاکستان سے آئے ہوئے ہیں، ملائیشیا سے آئے ہوئے ہیں، افغانستان سے آئے ہوئے ہیں، مصر سے آئے ہوئے ہیں، جو یہاں settled ہو چکے ہیں، ان کی عادتیں تو اپنے ملکوں والی ہیں اور یہاں عربی بول سکتے ہیں، بلکہ بعض لوگ پیدا بھی ادھر ہی ہوئے ہیں، جن کے لئے عربی بولنے میں

اور یہاں کا لباس پہننے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ لہذا لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ عرب ہیں لیکن وہ عرب نہیں ہوتے۔ ان کی عادتیں تو وہی ہوتی ہیں۔ تو ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہم طواف زیارت کے لئے منی سے جارہے تھے، باہر آئے تو GMC کی گاڑی آرہی تھی اس کو ہم نے ہاتھ دیا، اس سے جو آدمی نکلا وہ بہت غصہ سے بول رہا تھا جیسے سب کو بھیڑ بکریاں سمجھتا ہو اور غصے سے کہہ رہا تھا بیٹھ جاؤ، یہ کرو، وہ کرو، یوں وہ سب کو ڈانٹ رہا تھا۔ ہمارے وہ ساتھی آرام سے کھڑے تھے، جب باقی لوگ بٹھا دیئے گئے تو مجھے کہا آ جاؤ تم۔ مجھے اپنے ساتھ Front seat پہ بٹھا لیا، کیونکہ ان کو وہاں کے طریقے آتے تھے۔ بہر حال جب گاڑی چلی تو مجھے سمجھانے کے لئے آرام سے اس سے اردو میں پوچھا: آپ کدھر سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے کہا گجرات سے۔ مجھے اشارہ کیا کہ دیکھا یہ گجراتی ہے، عرب نہیں ہے۔ پھر ایک دن ہمارے خیمے کا تیل ختم ہو گیا تو مجھے کہتے ہیں آؤ میں آپ کو صحیح عربوں سے ملا دوں، تو مجھے ایک خیمے میں لے گئے، وہاں خیمے والے سے کہا کہ ہمارے خیمے میں تیل ختم ہو گیا ہے، اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تو ہم نے دیکھا کہ ان میں ایسے تھرتھری مچ گئی جیسے ان کا اپنا مسئلہ ہو، تو جب تک انہوں نے تیل ڈھونڈ کے نکال کے ہمیں دیا نہیں اس وقت تک ان کو آرام نہیں آیا۔ تو وہ مجھے کہتے ہیں یہ اصلی عرب ہیں۔ یعنی جو لوگ صحیح عرب ہیں ان میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ لیکن اس قسم کے لوگ پھر دوسروں کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کبھی بھی کسی قوم کے اوپر طنز نہیں کرنا چاہیے، آسمان کی طرف کوئی تھوکتا ہے تو تھوک اس کے اپنے اوپر ہی آتا ہے، اوپر تو نہیں جاتا۔ اس وجہ سے عربوں کی یہ جو اونچی نسبت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عرب ہوں اور قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہو گی، اس لئے عربوں سے محبت کرو۔ میں جرمنی میں تھا تو میرا عربوں کے ساتھ ہی ما شاء اللہ اٹھنا بیٹھنا تھا، ہر چیز میں ان کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ وہاں ہمارے بالکل آخری ایام تھے، ہم واپس آنے والے تھے تو ایک دن میں نے عربوں سے کہا "یَا اَخْوَانَ الْعَرَبِ نَحْنُ نُحِبُّكُمْ" اے عرب ساتھیو ہم تمہارے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ پھر میں نے یہ حدیث شریف سنائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عربوں کے ساتھ محبت کرو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن کی زبان عربی ہے اور

اہل جنت کی زبان بھی عربی ہو گی۔ اس لئے ہم آپ کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ تو وہ متوجہ ہو گئے کہنے لگے بالکل۔ پھر میں نے کہا: لیکن اگر ایک طرف حضور ﷺ ہوں اور دوسری طرف تم ہو گے، تو میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوں گا تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا۔ اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نہ ہوں؟ میں نے کہا آپ کا یہ جو لباس ہے کیا یہ مسنون لباس ہے؟ کیونکہ یہ توپ جو وہ پہنتے ہیں یہ مسنون لباس تو نہیں ہے۔ وہ تو ان کا cultural لباس ہے یعنی ثقافتی لباس ہے۔ اگر کوئی اس کو مسنون لباس سمجھتا ہے تو وہ غلط کرتا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ تمہارا یہ جو توپ ہے کیا یہ مسنون لباس ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا: بس ہم اس معاملے میں تمہارے ساتھ نہیں ہیں، ہم یہ توپ نہیں پہنیں گے۔ اس طرح کچھ باتیں میں نے اور بتائیں تو وہ بہت خوش ہو گئے اور کہتے ہیں بس ہم تو آپ سے یہی چاہتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ یہی کیا کریں، ہم ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس وجہ سے ہم ان کے ساتھ محبت کر رہے ہیں اس کی وجہ سے اس چیز کو تو نہیں چھوڑ سکتے، جیسے اگر وہ قرآن کے خلاف کوئی بات کریں گے تو ہم ان کی بات نہیں مانیں گے، آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف کوئی بات کریں گے تو ہم ان کی وہ بات نہیں مانیں گے اور جنتیوں کے طریقے کے خلاف کوئی بات کریں گے تو ہم ان کی وہ بات نہیں مانیں گے کیونکہ ان تین چیزوں کی وجہ سے تو ہم ان کے ساتھ محبت کر رہے ہیں تو اگر ان چیزوں میں وہ مخالفت کرتے ہیں تو چاہے کوئی بھی قوم ہو، چاہے پٹھان ہو، چاہے سندھی ہو، چاہے بلوچی ہو، چاہے پنجابی ہو، چاہے ہندی ہو، چاہے عرب ہو، چاہے ترک ہو۔ ہم ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ معاملہ ہمارا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آیا ہے اس کے ساتھ معاملہ ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم ان کی نسبتوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ مثلاً ترکوں کے ساتھ بھی ہم محبت کرتے ہیں، کیوں کہ ترکوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ میں جرمنی میں جہاں رہتا تھا وہاں ترک حضرات بھی بہت تھے، تو ایک دن میں یونیورسٹی جا رہا تھا تو وہاں پر دو ترک مزدور کھدائی کر رہے تھے، انہوں نعرہ لگایا یا کرداش! کرداش وہ دوست کو کہتے ہیں، میں نے پیچھے دیکھا تو وہ دو مزدور تھے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا کہ یہ آپ لوگوں نے

کہا ہے؟ کہتے آپ کدھر سے آئے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا پاکستان سے۔ کہتے ہیں ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ تم پاکستانی ہو۔ کیونکہ وہاں بھی میرا لباس یہی ہوتا تھا۔ تو کہنے لگے پاکستان کرداش کرداش یعنی پاکستان ہمارا دوست ملک ہے۔ چنانچہ وہ وہاں کسی پاکستانی کو دیکھ کر بہت خوشی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو ہمارے ساتھ محبت ہے۔ ہمیں بھی ان کے ساتھ محبت ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اس طرح جہاں جہاں پر بھی صفات ہیں، نسبتیں ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے اور جو برائیاں ہیں تو برائی کے ساتھ نفرت کرنی چاہیے، بروں کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ برائی برائی ہے۔ جہاں تک برے ہیں تو ان کا وہ کام برا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی سچ بھی بولتا ہے اور کبھی کبھی جھوٹ بولتا ہے تو جس وقت وہ سچ بول رہا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ نفرت نہیں کرنی چاہیے اور جس وقت وہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس کی وجہ سے جھوٹ کو تو صحیح نہیں کہنا چاہیے۔ گویا ہم اس شخص کو نہیں دیکھ رہے ہیں، کیونکہ اس شخص کو دیکھیں گے تو یا اس کے ساتھ محبت کریں گے یا نفرت کریں گے، اگر محبت کریں گے تو پھر بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اس میں غلط بات بھی ہے اور اگر نفرت کرتے ہیں تو پھر بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس میں اچھی بات بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہم کیا کریں گے؟ تو ہم اس کی غلط بات کے ساتھ نفرت کریں گے اور اس کی اچھی بات کے ساتھ محبت کریں گے، یہ دونوں باتیں بالکل صحیح ہیں، اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم اگر اس بنیاد پر آگئے ہیں تو پھر میرے خیال میں کسی بھی قوم کے ساتھ ہمیں فی نفسہٖ محبت یا نفرت نہیں ہو گی، بلکہ بالواسطہ ہو گی، یعنی ان اعمال کی وجہ سے ہو گی جن اعمال کی وجہ سے کوئی اچھا ہوتا ہے یا برا ہوتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ ہم سب کو صحیح طریقے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جمعہ کا بیان

"حج، قربانی اور خانہ کعبہ کی فضیلت: روحانی سفر اور عبادات کی اہمیت"

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْقَآىِٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۝ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾

(الحج: 38-26) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ۝

ترجمہ: [1] "اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی۔ (اور یہ ہدایت دی تھی کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لیے کھڑے ہوں، اور رکوع سجدے بجا لائیں۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہو گئی ہوں۔ تا کہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لیے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کیے ہیں۔ چنانچہ (مسلمانو) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیت عتیق کا طواف کریں۔ یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص ان چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے تو اس کے حق میں یہ عمل اس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں، سوائے ان جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنا دی گئی ہے۔ لہٰذا بتوں کی گندگی اور جھوٹ بات سے اس طرح بچ کر رہو۔ کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں، یا ہوا اسے کہیں دور دراز کی جگہ لا پھینکے۔ یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق ہے۔ پھر ان کے حلال ہونے کی منزل اسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اسی کی فرمانبرداری کرو، اور خوشخبری سنا دو ان لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے، اور جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز قائم کرنے والے ہیں، اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔ اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تابع بنادیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی، اور جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنا دو۔ بیشک اللہ ان لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں، یقین جانو کہ اللہ کسی دغا باز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔"

(حاشیہ: لِ (آسان ترجمہ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

نوٹ! تمام آیات کا ترجمہ آسان ترجمہ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے لیا گیا ہے۔

سورۃ حج کی چند آیات مبارکہ میں نے تلاوت کی ہیں جن میں شرک کی نفی، شعائر اللہ کے احترام اور حج اور قربانی کے بارے میں بہت مفید احکام وارد ہوئے ہیں۔ ویسے تو قرآن کا ہر حکم ہی مفید ہے لیکن آج کے موجودہ وقت کے لحاظ سے ہم اگر اس کو جان اور سمجھ لیں تو ان شاء اللہ العزیز آنے والے دن ہمارے لئے بہت مفید بن جائیں گے۔ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

"اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی۔"

دراصل خانہ کعبہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ پہلے سے موجود تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کے وقت سے موجود تھا۔ لیکن بعد میں حالاتِ زمانہ کی وجہ سے منہدم ہو گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ بتا دی گئی۔ کسی اور جگہ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ

خانہ کعبہ کو shift نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تجلی مسجودی وہیں پر ہے۔ اگر وہاں پر کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ جگہ خانہ کعبہ ہے۔ دوسری جگہ بھلے خانہ کعبہ کی پوری عمارت لے کر چلے جائیں، وہ جگہ خانہ کعبہ نہیں ہوگی۔ اس سے پتا چلا کہ ہم ان پتھروں کو اور ان دیواروں کو سجدہ نہیں کررہے ہیں، بلکہ ہم اللہ پاک کو سجدہ کررہے ہیں اور اللہ پاک ہر جگہ ہیں۔ اللہ پاک نے پوری امت کے لئے یہ ایک ایسی جگہ بنا دی ہے کہ کوئی شخص کہیں سے بھی اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہوگا۔ اس کو تجلی کہتے ہیں۔ تجلی اصل نہیں ہوتی بلکہ اصل کا عنوان ہوتی ہے۔ گویا کہ تجلی کا عنوان ذہن میں رکھنے سے آپ کا ذہن اس کی طرف جائے گا جس کی تجلی ہے تو خانہ کعبہ کو ذہن میں رکھ کر ہمارا ذہن خانہ کعبہ کے اوپر جس کی تجلی ہے اس کی طرف یعنی اللہ جل شانہ کی طرف جائے گا۔ احادیث شریفہ میں ما شاء اللہ ایسی کافی باتیں موجود ہیں جو اس طرف اشارہ کررہی ہیں، مثلاً حجرِ اسود کو اگر کوئی چومتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے وہ اللہ پاک کے ساتھ مصافحہ کررہا ہے، اور ملتزم شریف کے ساتھ جو معانقہ کرتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کررہا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے، حجر اسود اصل معنوں میں اللہ کا ہاتھ نہیں ہے، کیونکہ اللہ پاک کی ذات وراء الوراء ہے، اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ تک کوئی اس طرح پہنچ سکتا ہے جس طرح ہم ایک دوسرے کے پاس ساتھ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ جل شانہ کو چونکہ پتا ہے کہ لوگ اس طرح نہیں کرسکتے تو اللہ پاک نے اس کی ایک ایسی صورت بنا دی کہ عام لوگ بھی اگر اس کو حاصل کرنا چاہیں تو وہ بھی کرسکتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک نے حجر اسود ایسی جگہ بنائی ہے جس کو چومنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے بھی اس کو چوما ہے اور جتنے بھی انبیاء کرام آئے ہیں اور جتنے صحابہ کرام ہیں، انہوں نے اس کو چوما ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔

اس بات کو دیکھنا چاہئے کہ یہ کس مقصد کے لئے ہے۔ اگر اس کو ٹھیک ٹھیک اس پر فِٹ کرنے کی بات ہوجائے تو یہ غلط بات ہوگی، کیونکہ خانہ کعبہ کی عمارت خانہ کعبہ نہیں ہے، بلکہ اصل میں یہاں جو تجلی مسجودی ہے، وہ خانہ کعبہ ہے اور اس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ اگر خدانخواستہ خانہ کعبہ کی عمارت کو یہاں سے ہٹا دیا جائے تو

بھی خانہ کعبہ اِدھر ہی رہے گا۔ اللہ نہ کرے اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کسی اور طرف بنا دے تو پھر بھی یہیں رہے گا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں جو خانہ کعبہ تھا وہ اس طرح نہیں تھا، اس میں ایک طرف دروازہ حطیم کی طرف بھی تھا، لوگ یہاں سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔ سب لوگ اس میں سے گزر کے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ میں دوبارہ اس طرح بنا دوں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ دراصل خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے قریش نے یہ سوچا تھا کہ اس پر ہم صرف حلال کمائی استعمال کریں گے، لیکن حلال کمائی کم تھی، اس وجہ سے جب خانہ کعبہ کی تعمیر حطیم تک ہوئی تو پیسے ختم ہوگئے، تو اس کو ایک علیحدہ حصہ بنا دیا گیا۔ اس میں اللہ پاک کی حکمت یہی ہوئی کہ اب اگرچہ وہ دروازہ نہیں ہے لیکن جو لوگ حطیم کے اندر ہوں وہ بھی خانہ کعبہ کی برکات حاصل کرسکتے ہیں۔ بہرحال آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ نبی خانہ کعبہ کے ساتھ کیا کررہا ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ بعض دفعہ حکمتاً بعض مستحب کاموں کو بھی چھوڑا جاتا ہے تاکہ فتنہ نہ ہو۔

"(اور یہ ہدایت دی تھی کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لیے کھڑے ہوں، اور رکوع سجدے بجالائیں۔"

اس کا مطلب ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیادی بات یہ ہے کہ یہ عبادت، طواف، نماز اور اعتکاف کی جگہ ہے۔ اس کے لئے اس کی صفائی اور پاکی کا اہتمام ہونا چاہئے۔

"اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہوگئی ہوں۔"

اس وقت اگر ہم دیکھیں تو سبحان اللہ! دنیا کے کونے کونے سے اور بہت دور دور سے لوگ حج کے لئے آتے ہیں۔ بعض ایسے علاقوں سے بھی آتے ہیں جن کے نام بھی ہم نے نہیں سنے ہوتے۔ اور ایسی جگہوں سے بھی آتے ہیں جن کو کفرستان کہا جاتا ہے۔ اللہ پاک نے اس کے اندر جو کشش رکھی ہے وہ بڑی عجیب ہے، اسی کشش کی

وجہ سے لوگ آرہے ہیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو اعلان کے بارے میں حکم ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ! میری آواز کہاں تک جائے گی؟ کیونکہ اس جگہ پر تو اس وقت چاروں طرف پہاڑ تھے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ تیرا کام آواز دینا ہے، آواز پہنچانا میرا کام ہے۔ اور پھر اللہ نے ایسا پہنچایا کہ ارواح کو بھی آواز سنوا دی گئی۔ پس فرماتے ہیں کہ جس نے جتنی دفعہ لبیک کہا تھا اتنی دفعہ وہ حج پہ جائے گا اور جس نے نہیں کہا تو وہ نہیں جاسکے گا۔ بہرحال یہ ایک پورا ایک نظام ہے جو چلایا جارہا ہے۔

"تاکہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لیے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کیے ہیں۔"

یعنی قربانی کے جو جانور ہیں ان پہ اللہ پاک کا نام لیں اور ان کو اللہ کے لئے قربان کریں۔

"چنانچہ (مسلمانو) ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔"

انسان جس جانور کی خود اپنے لئے قربانی کرتا ہے، اس میں سے وہ خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے۔ دوسروں میں رشتہ دار بھی آتے ہیں اور محتاج لوگ بھی آتے ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں ان میں سے ایک حصہ خود کھا لیں، ایک حصہ رشتہ داروں کو دیں اور ایک حصہ فقراء کو دے دیں۔

"پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔"

آج اَلْحَمْدُللہ ہمارا یومِ ترویہ ہے اور وہاں پر ان کا یوم العرفہ ہے۔ اس وقت حاجی تقریباً عرفات پہنچ گئے ہوں گے، کیونکہ وقت میں دو گھنٹے کا فرق ہے یعنی دو گھنٹے بعد ان کا زوال ہوجائے گا۔ ہمارے ہاں تقریباً سوا بارہ بجے کے لگ بھگ زوال ہے تو ان کے ہاں ہمارے سوا دو بجے کے لگ بھگ وقت سے حج کا وقت شروع ہوجائے گا، اس کے بعد جو بھی عرفات کے میدان میں پہنچا وہ حاجی ہوجائے گا، حتیٰ کہ اگر کوئی کسی کو

بیہوشی کی حالت میں بھی پہنچا دے تو اس کا حج بھی ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی راستے میں بیہوش ہوگیا تو ساتھیوں کو چاہیئے ہوتا ہے کہ وہ اس کو اٹھا کر کم از کم عرفات میں پہنچا دیں، بھلے اس کی treatment وغیرہ اس کے بعد کرلیں، لیکن اس کو عرفات میں لازمی طور پر پہنچا دیں تاکہ وہ حاجی بن جائے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "اَلْحَجُّ عَرَفَةُ" (ترمذی: 890) کہ حج عرفات کی حاضری کا نام ہے۔ یہ بہت عجیب جگہ ہے،یہاں ایک دن پہلے جائیں گے تو کچھ بھی نہیں ہو گا، بالکل خالی میدان ہو گا اور ایک دن بعد جائیں گے تو ایسی حالت ہو گی کہ جگہ نہیں ملے گی۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا سمندر کھل جاتا ہے۔ جو لوگ بھی وہاں حاضر ہوتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ تھوڑی تھوڑی باتوں پر مغفرت فرماتے ہیں جس سے شیطان ذلیل ہوتا ہے اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے۔ یہ اس جگہ کی برکت ہے۔

اصل میں حج پر جانے سے پہلے حج کا مذاکرہ ضروری ہوتا ہے تاکہ وہاں جا کر جو کام کرنے کے ہیں ان کے بارے میں انسان جان لے اور جو کام کرنے کے نہیں ہیں ان میں بلاوجہ لگنے سے اپنے آپ کو بچائے۔ مثلاً لوگ پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ کوئی بہت برکت والی چیز ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس پہاڑی کے دامن میں آپ ﷺ نے اونٹنی پہ بیٹھ کے خطبہ دیا تھا، اگر آپ چاہیں تو دامن میں کھڑے ہو جائیں اور دعائیں و استغفار اور وقوف کرلیں۔ آپ ﷺ نے دو نمازیں اکٹھی پڑھا کر جو وقوف شروع کیا وہ مغرب تک چلتا رہا۔ آپ اندازہ کریں کہ وقوف کا کتنا ٹائم ہے۔ چونکہ ایک خاص وجہ تھی کہ آپ ﷺ اللہ پاک سے مسلسل مانگ رہے تھے اور اللہ پاک دے رہے تھے تو اس لئے آپ ﷺ اتنا زیادہ وقت وقوف کیا۔ چنانچہ وہاں پر ایک ضروری کام تو وقوف کا ہے۔

دوسری اہم چیز نماز ہے۔ نماز کے بارے میں میں آپ کو ایک عجیب بات بتا دوں، اگر لوگ علماء کرام کے ساتھ نہیں ہوں گے یعنی ان سے رابطہ نہیں ہو گا تو بعض اوقات اتنی اتنی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیسی غلطی کررہے ہیں اور کیوں کررہے ہیں۔ مثلاً میں اپنا واقعہ بتاتا ہوں، ہم وہاں اپنے خیمے میں تھے، ہمارا خیمہ مسجد نمرہ سے دور تھا اس لئے ہم اپنے وقت میں نماز پڑھتے اور اپنے

امام کے پیچھے پڑھتے، کیونکہ مسجد نمرہ کا امام ہم سے بہت آگے تھا۔ مسجد نمرہ کی آخری صف ہم سے شاید ایک کلومیٹر سے بھی زیادہ دور تھی۔ اور یہ نماز کا مسئلہ ہے کہ آپ اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کی صف میں اتصال نہیں ہے تو آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ چونکہ آج کل لاؤڈ سپیکر اور ریڈیو ہے، تو ریڈیو سے آواز catch کرکے لاؤڈ سپیکر پر وہ خطبہ سنا دیا جاتا ہے۔ مجھے اسی وقت خدشہ ہوا کہ کوئی مسئلہ ہونے والا ہے، چنانچہ میں نے کھڑے ہوکر بیان کیا کہ خدا کے بندو! یہ خطبہ ان لوگوں کے لئے ہے جو وہاں امام کے ساتھ موجود ہیں، تم یہاں اپنی نماز اور معمولات کی طرف توجہ دو۔ کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ یہ نماز بھی ان کے ساتھ ہی پڑھنا شروع کردیں گے۔ اور بالکل وہی ہوا، جس وقت ان کی نماز کھڑی ہوئی تو یہ بھی ساتھ کھڑے ہوگئے۔ میں نے کافی لوگوں کو روکا جن میں سے چند لوگ میری بات مان گئے، لیکن اکثریت نے انہی کے ساتھ نماز پڑھی۔ اب مجھے بتائیں یہ دو نمازیں بھی انہوں نے پڑھی ہیں، لیکن یہ نمازیں نہیں ہوئیں۔ اور یہ نمازیں عرفات کی نمازیں تھیں۔ تصور کریں کہ اس جہالت کی وجہ سے ان کو کتنا نقصان ہوا۔ اگر یہ علماء کے ساتھ رابطہ رکھتے اور علماء کی بات مانتے تو کیا یہ غلطی کرتے؟ ہرگز نہیں۔ اس لئے میں اکثر عرض کرتا رہتا ہوں جو بھی حج پہ جائے وہ حج کے مسائل سیکھ کے جائے۔ یہ ضروری ہے ورنہ آپ حج کے اندر ایسی غلطیاں کریں گے کہ آپ پر دم لازم ہوچکا ہوگا اور آپ کو پتا بھی نہیں ہوگا۔

ہمارے ساتھ ایک اسی سال کا بوڑھا ساتھی تھا، وہ روزانہ سر منڈوا لیتا اور کہتا میں نے عمرہ کرلیا ہے۔ میں نے سوچا کہ ہم جوان ہوکر اتنے عمرے نہیں کرسکتے، تو یہ کیسے کرلیتا ہے؟ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ عمرہ کیسے کرتے ہیں؟ کہتے ہیں میں طواف کرلیتا ہوں، طواف کے بعد سعی کرلیتا ہوں، سعی کے بعد سر منڈا کر عمرہ پورا کرلیتا ہوں۔ میں نے کہا او ہو! یہ آپ نے کیا کردیا۔ اس کے لئے تو پہلے آپ کو مسجد عائشہ یا کسی اور ایسی جگہ جانا پڑتا ہے جو حدود حرم سے باہر ہو، پھر وہاں سے عمرے کی نیت سے احرام پہن کر واپس آنا پڑتا ہے، پھر عمرہ ہوگا۔ اس نے شاید چار یا پانچ عمرے اس طرح کیے ہوئے تھے، میں نے کہا آپ کے اوپر اتنے دم آگئے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے میں اکثر عرض کرتا رہتا ہوں کہ اب لوگ حج

کی تیاری نہیں کرتے، پہلے وقتوں میں تیاری ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ حجاج کرام ship پر جاتے تھے تو اس میں آٹھ دن لگتے تھے۔ ان آٹھ دنوں میں اچھی خاصی تیاری ہو جاتی تھی۔ اب یہ سوچ کر ٹالتے رہتے ہیں کہ فلاں وقت کرلیں گے۔ حتّٰی کہ جب وقت آجاتا ہے تو جہاز پہ چلے جاتے ہیں اور جہاز چار گھنٹے یا پانچ گھنٹے میں پہنچ جاتا ہے۔ اس دوران Air hostess اور staff وغیرہ کے ساتھ مصروفیت ہوتی ہے۔ جب نیچے اترتے ہیں تو جدہ کی مشکلات سامنے ہوتی ہیں۔ اتنے میں حرم شریف پہنچ جاتے ہیں اور کسی چیز کو جانے بغیر سب کچھ کرتے ہیں، اور پھر غلطیاں کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص بھی حج کا ارادہ کرے وہ حج کے مسائل سیکھ کے جائے۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ حج بہت بڑا عمل ہے اور صاحبِ استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی نے یہ حج غلط کرلیا تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ پھر فرمایا کہ:

"یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص ان چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے تو اس کے حق میں یہ عمل اس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لیے حلال کردیے گئے ہیں، سوائے ان جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنا دی گئی ہے۔ لہٰذا بتوں کی گندگی اور جھوٹ بات سے اس طرح بچ کر رہو۔ کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گرپڑا۔ پھر یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں، یا ہوا اسے کہیں دور دراز کی جگہ لا پھینکے۔"

یہ شرک کی مذمت ہے۔ کیونکہ ایمان آسمان کی طرح ہے اور اگر کوئی کسی بھی وجہ سے ایمان چھوڑ دے تو یہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر گیا اور پھر اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے پتا نہیں کس طرف چلا جائے، یا شیطان اس کو اغوا کرکے کہاں پر لے جائے اس لئے یہ بہت تباہی کی بات ہے، لہٰذا شرک کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہئے۔ اور فرمایا کہ:

"یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔"

دیکھیں! اسی آیت سے پہلے شرک کی سخت مذمت ہے اور اس کے فوراً بعد شعائر

اللہ کے احترام کے بارے میں بات ہے، اس سے بعض حضرات نے یہ نکتہ نکالا کہ ممکن ہے کہ بعض لوگ غلط فہمی کی وجہ سے شعائر اللہ کو ہی شرک نہ سمجھ لیں، مثلاً کوئی شخص خانہ کعبہ کا احترام کرتا ہے یا قرآن کا احترام کرتا ہے تو کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی شرک ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ قرآن پاک کو زمین پر رکھ لیتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف پیر کرلیتے ہیں۔ جب ان کو کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے۔ خدا کے بندے! جب اللہ پاک نے اس کو عزت دی ہے تو تُو کون ہوتا ہے اس کی عزت کو ختم کرنے والا؟ قرآن کو اللہ نے عزت دی ہے، خانہ کعبہ کو بھی اللہ نے عزت دی ہے، صفا مروہ کو بھی اللہ نے عزت دی ہے؛ یہ شعائر اللہ ہیں، ان سے اللہ یاد آتا ہے۔ جس چیز کو دیکھ کر آپ کو اللہ یاد آئے اس کو شعائر اللہ یعنی اللہ کی آیات کہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا احترام کرنا لازم ہے۔ یہ آیت اس پر دال ہے کہ جو شعائر اللہ کا احترام کرتا ہے وہ اصل میں دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے کرتا ہے اور جو شعائر اللہ کا احترام نہیں کرتے، پتا چلتا ہے کہ ان کے دلوں میں تقویٰ نہیں ہے۔ اگرچہ باتیں بہت ہیں لیکن دلوں میں تقویٰ نہیں ہے۔

"تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق ہے۔ پھر ان کے حلال ہونے کی منزل اسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اسی کی فرمانبرداری کرو، اور خوشخبری سنا دو ان لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں پر رعب طاری ہوجاتا ہے، اور جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز قائم کرنے والے ہیں، اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے،"

اب یہاں بھی غور کریں کہ قربانی کے جانور بھی اللہ کے شعائر ہیں، ان کا بھی احترام کرنا لازم ہے۔

"تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) ان کے پہلو زمین پر گرجائیں تو ان (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دے دو، اور بعض لوگ اگرچہ حاجت مند ہوتے ہیں مگر وہ خاموش رہتے ہیں اور وہ کسی کو نہیں کہتے، تو پہلا حق تو ان کا ہے کہ جو مانگتے نہیں ہیں، ان کو تلاش کرکے دو اور ان لوگوں کو بھی دو جو مانگ لیں۔

"اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تابع بنادیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

یعنی ہم جو جانور ذبح کرتے ہیں تو سب کا خون اور گوشت تو ایک جیسا ہوتا ہے، لیکن جس کے دل میں تقویٰ ہوتا ہے اور وہ جانور کو جس نیت سے ذبح کرتا ہے اور اس میں شریعت کا جتنا احترام کرتا ہے اور تمام چیزوں کا خیال رکھتا ہے، اس کا اجر اور ہوتا ہے اور جو ان چیزوں کو نہیں جانتا اگرچہ قربانی وہ بھی کرتا ہے، لیکن اس کا وہ مقام نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں تقویٰ کو بڑھانا ضروری ہے۔ تقویٰ کو بڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ جل شانہٗ کے حکم کے مطابق اور اللہ کے ڈر سے سارے کام کرنے لگیں، اس میں اپنے ذہن اور اپنے خیال کو نہ لائیں۔ آج کل یہ بیماری بہت زیادہ ہے کہ لوگ آپس میں کہہ دیتے ہیں کہ میرے خیال میں ایسا کرنا چاہیئے۔ بھئی! اللہ کے حکم کے سامنے ہمارے خیال کی کیا حیثیت ہے؟ اول تو ہمارے خیال کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور اگر ہمارا خیال کچھ ہے بھی تو وہ صرف لوگوں کے درمیان ہے، اللہ کے سامنے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہم یہ کام بالکل نہ کریں کہ اللہ کے حکم میں ہم اپنے ذہن لڑانے لگیں، بس جیسے اللہ کا حکم ہو اسی پر من و عن عمل کریں۔ اس وجہ سے ہمیں قربانی کا طریقہ بھی جاننا چاہیئے اور یہ بھی کہ جانور کیسا ہونا چاہیئے۔ آج کل قربانی کے دنوں میں بہت زیادہ شور کیا جاتا ہے، لوگ ایسی باتیں پھیلا دیتے ہیں کہ قربانی کرنے کی بجائے اگر کسی غریب کو پیسے دے دیئے جائیں تو کیا زیادہ اچھا نہیں ہے؟ یا کسی کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کو رقم دے دی جائے کیا اچھا نہیں ہے؟

اور یہ لوگ گوشت کو ضائع کر دیتے جس سے خواہ مخواہ پیسے ضائع ہو جاتے ہیں، زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کسی حقدار کو دے دیے جائیں وغیرہ. ان کا جواب صرف ایک ہے کہ اللہ کا حکم سب سے زیادہ آپ ﷺ جانتے تھے، اگر پیسے دینے میں زیادہ فائدہ ہوتا تو آپ ﷺ اس پر عمل فرماتے۔ آپ ﷺ نے حج کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی کی ہے حالانکہ صرف ایک اونٹ میں ایک حصہ کافی تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وقت میں اکثر صحابہ غریب ہوا کرتے تھے، حتی کہ کپڑے تک بھی پورے نہیں ہوتے تھے، اگر ایسی بات ہوتی تو آپ ﷺ کم از کم ننانوے اونٹوں کے پیسے غریبوں کو دے دیتے اور صرف ایک اونٹ ذبح فرماتے، لیکن آپ ﷺ نے سو اونٹ ذبح فرمائے اور یمن سے بھی منگوائے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے ہیں اور سینتیس اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے فرمائے۔ اس میں ایک لطیف نکتہ ہے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت تریسٹھ سال تھی، گویا کہ آپ ﷺ نے ہر سال کے لئے ایک اونٹ قربان کر دیا، حالانکہ اس وقت ان پر قربانی واجب بھی نہیں تھی، لیکن تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے سینتیس اونٹ ذبح کروائے۔ اور ماشاء اللہ ان کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ اور سبحان اللہ! کمال کی بات یہ کہ آپ ﷺ نے ان تمام اونٹوں سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر اس کو ایک برتن میں ڈال کے ابال لیا اور اس کا شوربا پی لیا۔ یہ سنت کی بات ہے۔

سبحان اللہ! اس وقت لوگوں نے یہ عجیب تماشا دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے اونٹ خود آکر اپنا گلا پیش کررہے ہیں، حالانکہ جانور تو بدکتے اور بھاگتے ہیں، لیکن یہاں معاملہ حضور ﷺ کی قربانی کا تھا تو اس وقت وہ اونٹ خود اپنا گلا پیش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ کتنی محبت کی کہ سارے اونٹوں کا گوشت ملا کر اس کو ابال لیا اور اس کا شوربا آپ ﷺ نے خود پی لیا۔ لہٰذا علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنہوں نے قربانی کرنی ہو، ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس دن اس وقت تک کچھ نہ کھائے پیئے جس وقت تک قربانی نہ ہوجائے اور اپنے گوشت سے کھانے کی ابتدا کرے۔ یہ مستحب ہے، فرض و واجب نہیں ہے۔ یہ بہت ہی محبوب گوشت ہے، یہ اللہ

کی طرف سے تحفہ ہے اس کو مقدس گوشت سمجھیں۔ کیونکہ قربانی کے جانور کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے۔ شعائر اللہ کی قربانی کرکے ہم نے ما شاء اللہ وہ گوشت حاصل کیا ہے تو ہمارے لئے وہ گوشت معظم ہے، اس وجہ سے اس کو کھا کر ہم اس کی برکت اور نور کو محسوس کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ اسی طریقہ سے سارے اعمال کریں جس طریقہ سے آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

آپ ﷺ نے ایک موقع پہ ارشاد فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں یہودیوں میں اکہتر فرقے ہوئے، نصاریٰ میں بہتر فرقے ہوگئے اور میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوجائیں گے، لیکن صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ صحابہ کرام نے ڈر کے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے جو نجات پائیں گے؟ فرمایا: "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" (ترمذی، حدیث نمبر: 2641) یعنی جس طریقے پر میں چلا ہوں اور جس پر میرے صحابہ چلے ہیں، اس طریقہ پہ چلنے والے کامیاب ہوں گے۔ اس فقرے کو یاد رکھیں: "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، اس کو دل کے اوپر لکھ لیں اور ہر وقت اس کو سامنے رکھیں۔ دین تو حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی جس طرح پیروی کی، وہ دین ہے۔ دیکھیں! اللہ پاک نے کیسا زبردست نظام قائم کردیا کہ آپ ﷺ فرد واحد تھے، لہٰذا آپ ﷺ کی طرح سب نہیں تھے، آپ ﷺ مرد تھے عورت نہیں تھے، آپ ﷺ شہری تھے دیہاتی نہیں تھے، آپ ﷺ بہت اونچے خاندان کے تھے کم خاندان کے نہیں تھے، آپ ﷺ کے اور ایسی صفات تھیں جو باقیوں میں نہیں تھیں تو کیسے پیروی ہوتی؟ آپ ﷺ نے صحابہ کی تربیت فرمائی اور آپ ﷺ کے صحابہ میں ہر طبقے کے لوگ تھے، مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں، بہت ذہین لوگ بھی تھے اور بہت سادہ بھی تھے۔ شہری بھی تھے اور دیہاتی بھی تھے، پہاڑی لوگ بھی تھے اور صحرائی بھی۔ گویا کہ صحابہ کرام میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام میں ہر ایک کو اپنا نمونہ مل جاتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کے پیچھے جاؤ گے تو ہدایت پا لو گے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و حرمت کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ آج کل صحابہ کے خلاف بھی زہر

کھولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، اس دور میں فتنے کھل کے سامنے آرہے ہیں، جیسے فتنے ابل رہے ہوں۔ ایسی صورت میں اپنی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ ایک تو "مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِیۡ" کو یاد رکھیں، دوسرا ﴿وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ﴾ (التوبہ: 119) کو یاد رکھیں کہ صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔ تیسری بات یہ ہے کہ جذبات کچھ بھی ہوں، بات ہر صورت میں حق کی کرنی چاہیے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ وہاں قیامت میں مجھے کوئی نہیں بچا سکتا، کوئی پارٹی کا لیڈر، کوئی چوہدری، کوئی خان، کوئی بڑا، کوئی چھوٹا مجھے نہیں بچا سکتا، مجھے صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ لہٰذا میرا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف ہونا چاہئے۔ جب کبھی حق اور باطل کی بات ہو تو اس وقت کبھی بھی کسی جذبے سے باطل کا ساتھ نہ دو، ورنہ یہ بہت بڑی تباہی کی بات ہے۔ اِس وقت دجالیت شروع ہوچکی ہے اور دجال کے آنے کے مواقع بھی بن رہے ہیں۔ دجال کا نکلنا بہت زیادہ قریب قریب لگ رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ کہیں دجال ہمارے دور میں ہی نہ آجائے۔ اور ظاہر ہے کہ امام مہدی علیہ السلام بھی تشریف لائیں گے، تو امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ ہونے کے لئے اور دجال سے بچنے کے لئے جو لوگ ابھی اُس طریقہ پہ چل رہے ہیں ان کے ساتھ ہوجاؤ، ورنہ یہ چھوٹی چھوٹی جذباتی باتوں سے ہم اپنے آپ کو پارٹیوں میں تقسیم کرلیتے ہیں اور بعض دفعہ اہل حق کے ساتھ مقابلے کی صورتیں بن جاتی ہیں، جو تباہی کے آثار ہوتے ہیں، لیکن اِس وقت اتنا زیادہ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ سب ملے جلے ہیں، اُس وقت صرف دو ہی پارٹیاں ہوں گی، ایک امام مہدی علیہ السلام کی اور ایک دجال کی۔ اگر کوئی امام مہدی علیہ السلام کے پاس نہیں آتا تو دجال کے پاس جائے گا اور یہ تباہی کی بات ہوگی۔ لہٰذا ہم ابھی سے اس بات کو سیکھیں کہ کہیں ہمارے جذبات ہمیں کسی اور طرف نہ لے جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ ۞ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞

عزلت گزینی کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی شرط:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول کے مکتوب نمبر 265 میں عزلت گزینی کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی کی شرط کے بارے ارشاد فرماتے ہیں:-

متن:

آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی آرزو کی تھی، ہاں بیشک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے آپ کو مبارک ہو۔ آپ گوشہ نشینی اختیار کریں اور اس طرح یکسو ہوں کہ مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ آنحضرت علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خمسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، واتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وإجابة الدَّعوةِ، وتَشْمِيتُ العَاطِسِ (مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (1) سلام کا جواب دینا۔ (2) مریض کی عیادت کرنا۔ (3) جنازہ کے ساتھ چلنا۔ (4) دعوت کا قبول کرنا۔ (5) اور چھینک کا جواب دینا)۔ لیکن دعوت قبول کرنے میں چند شرطیں ہیں:۔ "احیاء العلوم" میں لکھا ہے "اگر طعام مشتبہ ہو، یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو، یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں، یا چھت یا دیوار پر جانداروں کی تصویریں ہوں، یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو، یا کسی قسم کا لہو و لعب کا شغل ہو، یا غیبت چغلی و بہتان اور جھوٹ وغیرہ سننا پڑے تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے، اور یہ سب امور اس دعوت کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع (بدعتی) یا شریر یا تکلف کرنے والا اور فخر و مباہات کا طالب ہے تب بھی یہی حکم ہے، اور "شرعۃ الاسلام" میں ہے کہ " ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا

گیا ہو"۔ اور محیط میں ہے کہ جس دستر خوان پر لہو و لعب یا سرور کا سامان ہو، یا وہاں لوگ غیبت کرتے ہوں، یا شراب پیتے ہوں وہاں بیٹھنا نہیں چاہئے۔ اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے اور نیز جان لیں کہ

عُزلت از اغیار باید نے ز یار
غیر سے دوری نہ ہرگز یار سے

کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ عالیہ کی سنتِ مؤکدہ ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت"۔ اور صحبت سے ان کی مراد طریقت سے موافقت کرنے والوں کی صحبت ہے نہ کہ مخالفینِ طریقت کی صحبت، کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ اور مریض کی عیادت سنّت ہے جبکہ اس بیمار کا کوئی خبر گیر ہو اور اس کی تیمارداری کرتا ہو، ورنہ اس بیمار کی عیادت (بیمار پرسی) واجب ہے جیسا کہ مشکٰوۃ کے حاشیہ میں کہا ہے۔ اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازے کے پیچھے چلنا چاہئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ اور جمعہ و جماعت اور نماز پنجگانہ و نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے کہ جن سے چارہ نہیں ہے اور باقی وقتوں کو تبتّل و انقطاع (تنہائی و گوشہ نشینی) میں گزاریں لیکن پہلے نیت کی تصحیح کر لینی چاہئے اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں، اور ذکرِ الٰہی جل سلطانہ کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور بے فائدہ و بے کار اشغال سے منہ موڑنے کے سوا (گوشہ نشینی سے) اور کچھ مقصود نہ ہو اور تصحیح نیت میں بڑی احتیاط کریں، ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو، اور نیت کے درست کرنے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور میں) التجا و تضرع بہت زیادہ کریں اور عاجزی و انکساری اختیار کریں تاکہ "حقیقت نیت" میسر ہو جائے۔ سات استخارے ادا کریں تاکہ تصحیح نیت کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر سکیں، امید ہے کہ اس پر بڑے بڑے فائدے مرتّب ہوں گے۔ باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسّلام

تشریح:

کیا پُر مغز کلام ہے۔ در اصل ان تمام چیزوں کی بنیاد ایک حدیث شریف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بری صحبت سے خلوت اچھی ہے اور اچھی صحبت خلوت سے اچھی ہے۔"

یہ دو باتیں ہیں: (1) بری صحبت سے خلوت اچھی ہے۔ جیسے zero، minus سے بڑا ہے اور plus، zero سے بڑا ہے۔ یہ مثال سب لوگ سمجھ جائیں گے، اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اب خلوت کو آپ zero سمجھ لیں، صحبتِ سُوء کو minus سمجھ لیں اور صحبتِ خیر، صحبت صالح کو plus سمجھ لیں، بات واضح ہو جائے گی۔ اگر صحبت کی وجہ سے برائی میں پھنسنے کا خطرہ ہو تو پھر خلوت بہتر ہے اور اگر خلوت کی وجہ سے اچھی صحبت سے محرومی ہو، تو پھر صحبت بہتر ہے۔ اس میں ساری چیزوں کا لب لباب آ گیا۔

مختلف لوگوں کے مختلف معیار ہوتے ہیں اس وجہ سے فیصلوں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ نقشبندی سلسلہ میں سلوک نسبت انعکاسی سے شروع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس میں صحبتِ شیخ کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا نقشبندی سلسلہ میں سالکین کے لئے صحبتِ شیخ کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے جبکہ چشتی حضرات پہلے صفائی چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر گندے برتن میں آپ نے کوئی اچھی چیز ڈال لی تو وہ بھی گندی ہو جائے گی اس لئے پہلے برتن کو صاف کرو، پھر اس کے بعد اس میں اچھی چیز ڈالو۔ اس وجہ سے وہ پہلے صفائی کراتے ہیں اور بعد میں ذکر کراتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک چیز "تخلیہ" بھی ہوتا ہے۔ یہ اجتہادی ذوق کی بات ہے۔ ہم لوگ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کون اچھا ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ دونوں بڑے اچھے ہیں اُن کا طریقہ بھی اچھا ہے اِن کا طریقہ بھی اچھا ہے۔ عام لوگ ان کا فرق نہیں سمجھ سکتے، البتہ حالات، ذوق اور مناسبت پر منحصر ہے جس کا جو ذوق ہو اسی کے مطابق کر لے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اپنے شیخ سے پوچھ لے وہ ان کو صحیح صورت حال بتا دیں گے کہ آپ کے لئے خلوت اچھی ہے یا صحبت بہتر ہے۔

حضرت نے پوری تشریح کے ساتھ ساری چیزیں بتا دی ہیں۔ عزلت نشینی برائی سے بچنے کے لئے ہے اچھائی سے بچنے کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا خلوت میں برائی سے بچنا ہے اچھائیوں سے نہیں بچنا ہے۔ بنیادی اچھائیاں تو کرنی ہوں گی۔ جیسے آپ صلی

اللہ علیہ و سلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق بتائے ہیں۔ اگر کوئی خلوت میں ہو تو بھی وہ پانچ حقوق ممکنہ حد تک پورے کرتا رہے۔ وہ حقوق یہ ہیں:

(1) سلام کا جواب دینا: سلام کا جواب دینا تبھی ہو گا جب کوئی سلام کرے گا۔ جب اس کا موقع آئے گا تبھی سلام کا جواب دو گے۔ اگر کوئی موقع سامنے آئے گا ہی نہیں تو جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات اس وقت ہے جب آپ باہر ہوں، بازار میں ہوں، راستہ میں ہوں یا کہیں سے آئیں یا کوئی آپ کے پاس آ جائے تو ایسے مواقع پر سلام و کلام کر لو۔

(2) مریض کی عیادت کرنا: اس کے لئے باہر جایا جا سکتا ہے۔ جیسے ایک آدمی اپنی خلوت گاہ میں بیٹھا ہوا ہو اور اس کو پتا چل جائے کہ فلاں مریض ہے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس چلا جائے۔ اس کی عیادت کر کے پھر واپس آ جائے، اپنی خلوت میں بیٹھ جائے۔ اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔

(3) جنازہ کے ساتھ چلنا: جنازہ فرضِ کفایہ ہے، اس وجہ سے فرضِ کفایہ کی نیت سے جنازہ میں شمولیت اختیار کی جا سکتی ہے، پھر بعد میں واپس آ جائے۔

(4) دعوت قبول کرنا: اس پر حضرت نے بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ آج کل مشتبہ چیزوں سے بچنا بڑا مشکل ہے۔ اس لئے دعوت قبول کرنا بہت مشکل ہے۔

(5) چھینک کا جواب دینا: یہ بھی تبھی ہو گا جب آپ کے سامنے کوئی چھینکے گا۔ آپ کے سامنے کوئی چھینکے گا نہیں تو آپ جواب بھی نہیں دیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جو معروف خلوت ہے اس میں یہ چیزیں رکاوٹ نہیں ہیں۔ آپ جنازے کے ساتھ بے شک جائیں، آپ مریض کی عیادت کر لیں، یہ دو چیزیں آپ remotely کر سکتے ہیں، خلوت کے ساتھ بھی ہو سکتی ہیں۔ باقی تین چیزیں خلوت میں ہوتے ہوئے آپ کے اوپر لازم ہی نہیں ہوتیں کیونکہ سلام کا جواب تبھی دیا جائے گا جب کوئی سلام کرے گا اور دعوت تبھی قبول کی جائے گی جب condition صحیح ہو گی۔ اور چھینکنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا جواب تبھی دیا جائے گا، جب کوئی آپ کے سامنے چھینکے گا۔ اس وجہ سے یہ تینوں چیزیں معاف ہو سکتی ہیں کیونکہ حالات اس کے موافق نہیں ہوتے۔ لہٰذا آدمی باقی دو کر لے، ان میں کوئی مشکل نہیں ہے اور ان سے خلوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نیز اچھے لوگوں کی صحبت کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ جن لوگوں کی صحبت سے فائدہ ہوتا ہے، وہ دو قسم کے ہیں:

(1) علماء کی صحبت: جن سے انسان علمی مسائل سیکھتا ہے۔

(2) مشائخ کی صحبت: جن سے انسان کی قلبی حالت بہتر ہوتی ہے۔

کیونکہ قلب ایک magnet (مقناطیس) ہے، transmitter بھی ہے اور receiver بھی ہے۔ لہٰذا جو اللہ والا ہو گا، اس کے ہاں سے خیر کی چیزیں radiate ہو رہی ہوں گی جنہیں لوگ receive کر لیں گے اور برے لوگوں کے دل بری چیزیں radiate کر رہے ہوں گے ان سے بچنا ضروری ہو گا۔ خلوت کا مقصد بری radiation سے بچنا ہے اچھی چیز سے بچنا نہیں ہے۔ اچھی چیز کو حاصل کرنا مقصد ہے۔ لہٰذا اگر اچھی صحبت مل جائے تو اس کے لئے خلوت قربان کی جا سکتی ہے اور اگر بری صحبت ہو تو اس سے چھٹکارا حاصل کر کے دوبارہ خلوت میں چلا جائے۔ یوں سمجھ لیجئے it is subject to condition یعنی اس کا انحصار اس پر ہے کہ کس قسم کی حالت ہے۔ میرے خیال میں کافی حد تک وضاحت ہو گئی۔ الحمد للہ۔

فرصت کو غنیمت جاننے کی ترغیب:

یہ بہت بڑی بات ہے۔ دفتر اول کے مکتوب نمبر 133 میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

فرصت (کے لمحات) کو غنیمت جانیں اور وقت عزیز کی قدر کریں، رسوم و عادات سے کوئی کام نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے، سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملھا نے فرمایا ہے۔ هَلَكَ الْمُسَوِّفُونَ سَوفَ اَفعَلُ (یعنی عنقریب یہ کام کروں گا، کہنے والے ہلاک ہو گئے)۔

تشریح:

مُسَوِّفُوْن یعنی ٹالنے والے۔ لاہور میں ہمارے کچھ ساتھی ہیں وہ بتاتے ہیں کہ کچھ لوگ پورا سال ہم سے کہتے رہتے ہیں کہ شاہ صاحب آئیں تو ہمیں اطلاع کر دینا۔

جب آپ لاہور آتے ہیں اور ہم انہیں بتاتے ہیں تو پھر وہ ہم سے کہتے ہیں: اوہو! فلاں کام پڑ گیا ہے، یہ مصروفیت آ گئی ہے، ان شاء اللہ میں آؤں گا اور پھر اگلے سال پہ ٹال دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ نہیں کرنا چاہتے اور ظاہر ہے ان پہ زبردستی تو نہیں کی جا سکتی۔ لیکن حدیث شریف میں آیا ہے: هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ (تنبیہ الغافلین، ص: 144)

ترجمہ: "ابھی کر لیں گے" کہنے والے ہلاک ہو چکے ہیں۔"

یہ ٹال رہے ہیں۔ اصل میں ان کی عمل کرنے کی نیت نہیں ہے۔ ان کی نیت ٹالنے کی ہے۔ جب مجلس ہو گی تو اس مجلس کو گرم کر دیں گے۔ کہیں گے واہ جی! کیا بات ہے، لیکن عمل نہیں کریں گے۔

جو لوگ طالب ہوتے ہیں (سبحان اللہ!) ان کا حال بھی ہم نے دیکھا ہے۔ پتا نہیں کہاں کہاں سے کھنچ کے آتے ہیں۔ ایک دن مجھے روس سے ایک خاتون کا میسج آیا، وہ بتا رہی تھی کہ وہ وہاں بیٹھی ہے اور تعلق قائم ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کی طلب ہی ہے۔ اس طریقہ سے پتا نہیں کہاں کہاں سے لوگ یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ طلب والے لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔ جب کہ مُسَوِّفُوْنَ بس بے چارے ساری عمر اسی میں لگے رہتے ہیں۔

متن:

موجودہ عمر کو موہوم کام (لذات و آسائشِ دنیاوی) میں صرف کرنا اور موہوم (بے فائدہ) کو موجود (زندگی) کے لئے حفاظت کرنا بہت بُرا ہے۔ چاہئے کہ نقدِ وقت (موجودہ وقت) کو اہم کاموں میں صرف کریں اور ادھار (غیر موجود وقت) کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لئے مؤخر کر دیں۔

تشریح:

یعنی موجودہ وقت کو اچھے کاموں کے لئے استعمال کریں اور دوسری چیزوں کو بعد پہ ٹالیں۔ جو وقت آپ کے پاس ہے، اس کو اچھے کاموں کے لئے خرچ کر لیں اور یہ سوچیں کہ پتا نہیں موت کس وقت آ جائے لہٰذا میں یہ وقت اچھے کام کے لئے صرف کروں۔

متن:

(مسلسل ٹالتے رہیں) حق سبحانہ و تعالیٰ (اپنی طلب میں) تھوڑی سی بے آرامی بخشے تاکہ ماسوائے حق کے آرام سے نجات حاصل ہو۔ (محض) گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ وہاں تو (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں) قلبِ سلیم طلب کرتے ہیں لہٰذا اصل مقصد کا فکر کرنا چاہئے اور بے فائدہ کاموں سے پوری طرح منہ پھیر لینا چاہئے۔

تشریح:

حضرت نے گویا کہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے جو فرصت دی ہے اس کی قدر کرو کیونکہ وقت بہت بڑی دولت ہے۔ time is more than money۔ لوگ کہتے ہیں time is money، لیکن ہم کہتے ہیں:

Time is more than money, money can be stored but time can't be stored, once you missed it then you can't get it.

آپ گذرا ہوا وقت دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جو وقت یوں ہی چلا گیا وہ ضائع ہو گیا۔ ایسی عجیب بات ہے کہ آنے والا لمحہ جو مستقبل ہے ابھی حال ہو گیا اور ابھی ماضی ہو گیا۔ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب تو ایسے جلدی جلدی وقت گذرتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ ابھی جمعہ گذرا ہوتا ہے، پھر جمعہ آ رہا ہوتا ہے۔ جیسے یہ بیان ابھی گذرے گا اور اگلا بیان آ جائے گا۔ اوقات کے اندر برکت نہیں رہی۔ جو وقت آپ کے پاس ہے، اس کی قدر کرو۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:10)

ترجمہ: "اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا"۔

اگر کوئی وقت کی قدر کرے گا تو وقت کو بڑھا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں برکت ڈال دیں گے۔ تھوڑے وقت میں آپ کا بہت زیادہ کام ہو جائے گا۔ بعض لوگوں کے وقت میں بڑی برکت ہوتی ہے تھوڑے وقت میں بہت کام ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں کے وقت میں برکت نہیں ہوتی بہت سارے وقت میں بھی کام نہیں ہوتا کام پھنسا رہتا ہے مسلسل مسائل ہوتے رہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی وجہ سے کام پھنسا رہتا ہے جس کی وجہ سے انسان مطمئن نہیں ہوتا۔ جو وقت کی قدر کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے وقت میں برکت ڈال دیتے ہیں اور ماشاء اللہ اس سے پھر کام لیتے ہیں۔

دفتر اول کے مکتوب نمبر 136 میں ارشاد فرمایا کہ:

متن:

اس مرتبہ آپ کا لشکر میں جانا فقیر کو پسند نہیں آیا۔ دیکھئے اس میں کیا حکمت ہے۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں) خیال فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کمالِ مہربانی سے آپ کو روز مرہ کے گزارہ کے اسباب عطا فرمائے ہوئے ہیں اس کو غنیمت جان کر اصل کام کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ اس کو مزید معیشت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے کیونکہ (اس طرح) کاموں کا تسلسل جاری ہو جاتا ہے (یعنی یہ سلسلہ طلب لا متناہی ہو جاتا ہے) اور درویشی میں طولِ امل (لمبی امید لگانا) کفر ہے۔ اور قرض سے فارغ ہونے کا معاملہ معلوم نہیں ہے (کہ کب ادائیگی ہو) کہ خواجہ صاحب سے کوئی صورت پیدا کر لیں اور اگر آپ کو کوئی شبہ ہے تو خواجہ صاحب کی طرف صاف صاف واضح طور پر لکھنا چاہئے، اگر وہ بھی جواب میں صاف طور پر لکھیں اور (جواب سے) پختہ وعدہ مفہوم ہو تو اس نیت سے چلے جائیں، لیکن تسویف (نیک کام میں ٹال مٹول) اور تاخیر کا کیا علاج۔ (آپ کو) جو کچھ کرنا ہے جلد کریں کیونکہ فرصت کے لمحات غنیمت ہیں۔

تشریح:

گویا کہ حضرت نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ زیادہ لمبی لمبی امیدیں رکھنا کہ میں یہ کروں گا، وہ کروں گا، یہ رویہ انسان کو خیر کے کاموں سے روک دیتا ہے۔ دین کا کام، خیر کا کام نہ چھوڑو باقی جو موقع کی مناسبت کے لحاظ سے آئے اسے کر لو۔ آپ کے منصوبے اتنے بڑے بڑے ہوں کہ پورے ہی نہ ہو سکیں تو ان کا کیا فائدہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں، جب تک پوری عمارت تیار نہیں ہو گی تب تک مدرسہ شروع نہیں کر سکتے۔ وہ پوری عمر مدرسہ ہی بناتے رہتے ہیں کام نہیں ہوتا۔ بھئی آپ چٹائی کے اوپر بیٹھ کر کام شروع کر لیں، جیسا اور جتنا ہو گا، اللہ تعالی بڑھاتا جائے گا، کام بڑھتا جائے گا۔ اس کے لئے مؤخر نہ کیا کرو۔ جو وقت اللہ نے دیا ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جتنے بھی بڑے بڑے دینی منصوبے ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے اسی کسمپرسی میں شروع ہوئے ہیں. پہلے کوئی بھی نہیں جانتا تھا لیکن بعد میں اللہ پاک اس کو اتنا بڑھا دیتے

تھے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ لہٰذا بہت زیادہ لمبی لمبی امیدیں نہیں رکھنی چاہئیں۔

معیشت کے مسئلہ میں یہ مرض ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ متعدی مرض ہے اور ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے کہ آپ کا ایک معقول معیشت کا نظام ہوتا ہے اور آپ دوسرے کو بھی شروع کرتے ہیں، پھر دوسرے کے ساتھ تیسرے کو شروع کرتے ہیں، پھر تیسرے کے ساتھ چوتھے کو شروع کرتے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہاں رکو گے؟ کہیں پر تو رکنا ہے۔ اگر آپ کی حرص پوری ہی نہیں ہوتی تو پھر کیسے رکیں گے؟ نتیجتاً ہمیشہ پریشان ہوتے رہیں گے۔

بعض لوگ دو دو تین تین کام کر رہے ہوتے ہیں، دفتر میں بھی کام کر رہے ہوتے ہیں، پھر کوئی کاروبار بھی کر رہے ہوتے ہیں، پھر کسی اور کے ساتھ کوئی ڈیل بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک عجیب گورکھ دھندا ہوتا ہے۔ اس گورکھ دھندے میں وہ لوگ ہمیشہ پریشان اور مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ بھئی درست طرزِ عمل یہ ہے کہ اپنے اخراجات محدود کر لو یہ آپ کے بس میں ہے آمدنی کو بڑھانا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس میں اور بہت ساری پابندیاں ہیں۔ جب تھوڑے پہ گذارا کرنا آئے گا تو اس سے سکون و اطمینان بھی حاصل ہو گا۔

ہمارے ایک ساتھی کے واقعہ سے مجھے بہت عبرت حاصل ہوئی، وہ جب آرمی سے ریٹائر ہوئے، میں نے ان سے ویسے ہی پوچھا کہ حضرت ریٹائرمنٹ کے بعد کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا 6000 روپے پنشن ہے، گاؤں میں رہوں گا، گاؤں میں اتنے اخراجات نہیں ہوتے، لہٰذا مجھے کسی اور کام کی ضرورت نہیں ہے، میرا گاؤں میں اچھا گذارا ہو جائے گا۔ دیکھیں کتنی اچھی سوچ ہے۔ عام لوگوں کی یہ سوچ نہیں ہوتی۔ عموماً جب ریٹائرمنٹ ہوتی ہے تو آمدنی تقریباً نصف ہو جاتی ہے، اس لئے بہت سارے لوگ جن کی ریٹائرمنٹ ہونے والی ہوتی ہے وہ اتنے پریشان اور فکر مندی میں ہوتے ہیں کہ رو رو کے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں، دعائیں کراتے ہیں کہ پنشن مل جائے۔ ان میں بڑے بڑے جرنل کرنل ٹائپ لوگ بھی ہوتے ہیں، جنہیں ہم نے اس طرح پریشان دیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اخراجات ان کی اضافی آمدن کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ ان اخراجات کے عادی ہوتے ہیں سوچتے ہیں کہ اگر ہم ریٹائر ہو جائیں گے تو پھر وہ اضافی چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ وہ لوگ جو کسی وجہ سے دیتے

رہتے ہیں، وہ تو ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی ختم ہو گئے اور مزید یہ کہ پنشن بھی تنخواہ سے تقریباً آدھی ہی ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد لوگ بھی منہ موڑ لیتے ہیں تو اندھیرا نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔

ہمیں اپنے بزرگوں نے بتایا تھا کہ ریٹائرمنٹ کے وقت جتنی آپ کی آمدنی ہو، اپنے اخراجات اس کے حساب سے رکھو۔ کیسا عجیب ترین اصول ہے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت جتنی آمدنی ہو اپنے اخراجات اسی کے حساب سے رکھو۔ اس طرح جب آپ ریٹائر ہوں گے تو آپ کو فرق نہیں پڑے گا، آپ کے گھر والے بھی اس کے عادی ہوں گے اور آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ ورنہ پھر ایسا ہوتا ہے جیسا ہمارے ایک دوست کے ساتھ ہوا، بڑے اچھے آدمی تھے۔ اب وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ وہ جب ریٹائر ہوئے تو ان کے بچے بڑے ہو گئے تھے۔ جو ریٹائر ہوتے ہیں زیادہ تر ان کے بچے بڑے ہی ہوتے ہیں. ہمارے اس دوست کے بچوں میں بعض بر سر روزگار بھی تھے. بعض پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بچے کہتے ہیں کہ آپ ابھی کام کر سکتے ہیں، اس لئے کام کرتے رہیں، ورنہ اگر آپ گھر پہ بیٹھ جائیں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی، اپنے بوڑھے باپ سے کام کرواتے ہو، اب تم کس لئے ہو؟ تم کام کرو، میں آرام کروں گا۔ میں نے جتنا کام کرنا تھا کر لیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ چونکہ وہ نیک آدمی تھے تو دفتر کی مسجد کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں بغیر تنخواہ کے مسجد میں خدمت کرنا چاہتا ہوں، میں تنخواہ نہیں لوں گا، مجھے مسجد کا خادم بنا دیا جائے۔ کتنی اچھی سوچ ہے اور بڑی اچھی مصروفیت ہے۔ کیونکہ بچے یہی کہتے ہیں کہ اگر آپ فارغ بیٹھ جائیں گے تو بیمار ہو جائیں گے، لہٰذا مسجد کی خدمت میں لگ کے فارغ نہیں رہے، مصروف ہو گئے۔ ہاں دینی مصروفیت ہے، جس میں پیسہ نہیں ہے، لیکن اس میں اجر ہے۔ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی اچھی موت عطا فرمائی۔

لوگ بس توسیع ہی مانگتے رہتے ہیں۔ خدا کے بندو! کہیں پہ رک جاؤ، کہیں پہ آخرت کے لئے بھی تیاری کرو۔ مسلسل دنیا کے لئے ہی لگے رہو گے، کب رکو گے!! واقعتاً بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم موت تک بس دنیا کمانے میں لگے رہیں گے۔ جن کے

کچھ وسائل نہیں ہیں ان کی تو مجبوری ہے۔ اگر وہ کچھ کرتے ہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن جن کے مناسب وسائل ہیں ان کو ذرا رکنا بھی چاہئے۔ لیکن عموماً ایسے لوگ یہ بات نہیں سمجھتے، ہمارے ایک دوست بڑے پریشان تھے۔ وہ بھی ریٹائر ہیں۔ پریشان اس بات پر تھے کہ کہتے ہیں، میرے جتنے بچے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ریٹائرمنٹ سے پہلے پہلے ان کے لئے ایک ایک پلاٹ خرید لوں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کیا تیرے والد نے تیرے لئے پلاٹ چھوڑا تھا؟ جس طرح تجھے اللہ پاک نے رکھا ہے، اسی طرح ان کو بھی رکھ لیں گے۔ لیکن یہ ایک عجیب سوچ ہے۔ بھئی! ان بچوں کی آخرت کی فکر کرو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت اپنے بچوں کے لئے بھی تو کچھ پس انداز کریں۔ حضرت کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت نے جواب دیا: "یا تو یہ اللہ والے ہوں گے یا اللہ کے دشمن ہوں گے۔ اگر یہ اللہ والے ہیں تو اللہ ان کے لئے کافی ہے۔ اگر یہ اللہ کے دشمن ہیں تو میں ان کے لئے کیوں کماؤں۔" بڑا ہی صاف جواب دے دیا۔ لکھنے والے نے لکھا کہ حالت یہ تھی کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ کے بارہ بیٹے اپنے وقت کے گورنر تھے اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کے لئے بہت خزانے چھوڑے ہوئے تھے، ان کے بچوں کو بازاروں میں بھیک مانگتے دیکھا گیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ جن کو دینا چاہے، اس کے لئے پھر کیا مشکل ہے۔ جو لوگ اللہ پر سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں، ان کی بات اور ہے۔

باقی یہ میں یہ نہیں کہتا کہ کام نہ کریں، بھئی کام ضرور کریں لیکن کام کے طور پر کریں۔ جو کام ہے اسی کے حساب سے کریں۔ آخر گورنمنٹ بھی آپ کو کسی وجہ سے ریٹائر کرتی ہے کہ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ اب آپ آخرت کے لئے تیاری کر لو۔

اس سلسلۂ عالیہ میں بعض مبتدیوں کو جلدی تاثر نہ ہونے کا بھید:

اب نقشبندی سلسلہ کے بارے میں بات شروع ہو رہی ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ، یعنی "نقشبندی سلسلہ میں بعض مبتدیوں کو جلدی تاثر نہ ہونے کا بھید" کے بارے میں دفتر اول کے مکتوب نمبر 145 میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سیر کی ابتداء عالم امر سے ہوتی ہے لیکن جلدی متاثر نہیں ہوتے اور لذت و حلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے اپنے اندر جلدی پیدا نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالم خلق کی نسبت عالم امر ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف اثر پذیری میں رکاوٹ و سدراہ ہوتا ہے۔ اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک کہ ان میں عالم امر کو عالمِ خلق پر غلبہ اور قوت حاصل نہ ہو جائے اور معاملہ بر عکس نہ ہو جائے۔ اس ضعف کا علاج طریقہ عالیہ کے مناسب یہ ہے کہ کوئی صاحب تصرف پورے طور تصرف سے کام لے اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے وہ پہلے تزکیہ نفس ہے پھر ریاضتیں اور سخت مجاہدے جو شریعت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق ہوں کرائے جائیں، اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے اکثر کامل استعداد والے حضرات بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ والسلام

تشریح:

سبحان اللہ! کیا عجیب اور کتنی فیصلہ کن بات ہے۔ بہت واضح طور پر اس چیز کا اعتراف فرمایا ہے۔ پانچ لطائف عالمِ امر کے اور پانچ لطائف عالمِ خلق کے، ان کو لطائفِ عشرہ کہتے ہیں۔

عالمِ امر کے پانچ لطائف یہ ہیں: (1) قلب۔ (2) روح۔ (3) سر۔ (4) خفی۔ (5) اخفی۔

عالم خلق کے پانچ لطائف یہ ہیں: (1) نفس۔ (2) آگ۔ (3) ہوا۔ (4) پانی (5) مٹی۔

در اصل یہ طبیعتوں کا فرق ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! دیکھیں اس میں ساری چیز آ گئی۔ لیکن یہ بات حضرت مجدد صاحب نے چونکہ اپنی اصطلاح میں کی ہے، لہٰذا صرف اس اصطلاح سے نکلنے کی دیر ہے، یہ ساری بات سمجھ میں آ جائے گی۔ کسی میں عالمِ خلق کے پانچ لطائف زیادہ غالب ہوتے ہیں اور کسی میں عالمِ امر کے پانچ لطائف زیادہ غالب ہوتے ہیں۔ جن کے عالمِ امر کے پانچ لطائف غالب ہیں وہ عالمِ امر کی چیزوں کو فعال کرنے سے ہی فوراً فعال ہونا

شروع ہو جائیں گے مثلاً ان کے لطائف چلنا شروع ہو جائیں گے، ان کا کام ہونا شروع ہو جائیں گے، ان کے وہی مراقبات آسانی سے ہو جائیں گے اور ان کے لئے سلوک طے کرنا آسان ہو جائے گا۔ ان میں اثر پذیری ہوتی ہے۔ اور جن کے عالمِ خلق کے لطائف غالب ہوتے ہیں، وہ چونکہ عالمِ امر کی چیزوں سے dominate نہیں ہیں، کیونکہ ان میں عالمِ خلق کے لطائف غالب ہیں، لہٰذا ان میں پہلے عالمِ خلق کی چیزوں کو دبانا ہے، نفس کو دبانا ہے، آگ، ہوا، پانی کے رذائل کو دبانا ہے۔ گویا عالمِ امر میں ابھارنے کا عمل ہے، یہاں دبانے کا عمل ہے۔ عالمِ خلق کی چیزوں میں دبانا ہوتا ہے اور عالمِ امر کی چیزوں میں ابھارنا ہوتا ہے۔ اگر یہ عالمِ امر والی چیزیں غالب نہیں ہیں تو پھر دبانے سے کام چلے گا۔ دبانے میں مجاہدہ اور ریاضت ہے۔ اور توجہات سے مراد یہ ہے کہ ایک طریقے سے ان کی طبیعت میں تاثر پیدا کیا جائے۔ یہ بات حضرت نے عرض کی ہے کہ ہم میں دوسرے طریقوں کی مناسبت ہے، فرمایا:

"اس ضعف کا علاج (دو علاج بتائے) طریقہ عالیہ کے مناسب یہ ہے کہ کوئی صاحب تصرف پورے طور تصرف سے کام لے اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے (یعنی چشتیہ سہروردیہ قادریہ) وہ پہلے تزکیہ نفس ہے (یعنی وہ پہلے نفس کا تزکیہ کریں، یعنی عالمِ خلق والا) پھر ریاضتیں اور سخت مجاہدے جو شریعت علیٰ صاحبہا الصلوۃ و السلام کے مطابق ہوں کرائے جائیں اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے"۔

خدا کے بندو! استعداد کم نہیں ہے۔ ان میں تو پہلوانی کی استعداد ہے لیکن وہ اس استعداد کے ذریعے دنیا کی طرف جا رہے ہیں، ان کا رخ آخرت کی طرف موڑو۔ جب آپ رخ آخرت کی طرف موڑ دیں تو (سبحان اللہ) وہ سب سے آگے جائے گا۔ یعنی طاقت ور تو ہے لیکن اس کا رخ غلط طرف ہے۔ اس کا رخ صحیح طرف کرنا پڑے گا۔

یہاں مزاج اور مناسبت والی بات آ گئی۔ جن کی طبیعت میں چشتیت ہے ان کو زبردستی نقشبندی نہ بناؤ۔ جو نقشبندی ہیں ان کو زبردستی چشتی نہ بناؤ۔ کیسی خوبصورت نصیحت ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑی اور بالکل صاف بات کی ہے کہ جس کی جس طریقہ کے ساتھ مناسبت ہے اس کو اسی طرف جانے دیا جائے۔

جیسے مجھے میرے شیخ (حضرت مولانا اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: (حالانکہ میرے شیخ چشتی تھے) کہ آپ کو نقشبندی سلسلہ کے ساتھ مناسبت ہے۔ میں پہلے بھی یہ سمجھتا تھا، لیکن تب یقین ہو گیا۔ حضرت نے بڑی دعائیں دیں۔ میں حضرت کو باتیں بتاتا تھا، مجھے تو پتا نہیں چلتا تھا لیکن حضرت کو فوراً پتا چل جاتا تھا کہ یہ فلاں چیز ہے۔ حضرت یہ چیزیں نوٹ فرما رہے تھے۔ ان سب چیزوں سے حضرت کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی طبیعت میں عالمِ امر کو عالمِ خلق کے اوپر فوقیت حاصل ہے۔ لہٰذا ان کو اس لائن سے فائدہ ہو رہا ہے تو حضرت نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ مجھے زبردستی چشتی نہیں بنایا۔ بلکہ (ما شاء اللہ) اس طریقہ سے کام کیا۔ وہ توجہات تھیں یا واللہ اعلم جو بھی تھا، مجھے ذکر رکوا دیا۔ بہت ہی کم ذکر کی اجازت دی اور ڈانٹ ڈپٹ سے ان تمام چیزوں کو آگے بڑھایا۔ بزرگوں کے ہاں یہی طریقہ ہوتا ہے۔ الحمد للہ! ہمیں اللہ تعالیٰ نے بڑے اچھے بزرگ عطا فرمائے۔ ان حضرات کو پتا تھا کہ کس سے کیا کام لینا چاہیئے۔ پھر ایسا وقت آ گیا کہ حضرت نے خود فرمایا: اب جتنا ذکر کر سکتے ہو کرو اور جو ذکر کرنا چاہتے ہو وہ کرو، اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی چیز ہوتی ہے، بس اس کو وقت اور حالات کے مطابق ایڈجسٹ کرنا ہوتا ہے۔ مشائخ کا بنیادی کام یہی ایڈجسٹمنٹ ہی ہوتا ہے۔

میڈیکل کے شعبے میں ایڈجسٹمنٹ ہی تو ہے۔ طب کے میدان میں ایڈجسٹمنٹ ہی ہے۔ بعض کی طبیعت سرد خشک ہوتی ہے۔ آپ اس کو سرد خشک غذائیں دیں تو مزید بیمار ہو جائے گا۔ اس کے لئے گرم مرطوب چیز چاہیئے۔ اگر آپ اس کو گرم مرطوب چیز کھلائیں گے تو اس سے اس کو فائدہ ہو گا۔ بے شک آپ اس کو دوائی نہ دیں بس گرم مرطوب کھانے دیں تو اس کو فائدہ ہی فائدہ ہو گا۔ اس کو علاج باخلۃًا کہتے ہیں۔ جیسا کہ طب میں ہے اسی طرح روحانیت میں بھی ہے۔ جن کی عالمِ امر پر توجہ مرکوز ہوتی ہے ان کا علاج الگ ہے۔ ان کو اس طریقے سے آگے بڑھایا جاتا ہے اور جن کی توجہ عالمِ خلق پر ہوتی ہے، وہاں دبانے سے کام ہوتا ہے۔ دبانے سے مطلب یہ ہے کہ ان میں رذائل کو دبانے سے ابتدا کی جاتی ہے۔ یہ مکتوب نمبر 145 بہت قیمتی مکتوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان بزرگوں کی محبت تھوڑی بھی بہت ہے اور بزرگوں کے لباس سے استفادے کی ترغیب:

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا فیض اور اثر مخفی ہوتا ہے۔ وہ صرف ان کو پتا چلتا ہے جن پر وہ چیز مخفی نہیں ہوتی۔ باقی لوگ انہیں جاننے کے لئے انہی حضرات کے محتاج ہوتے ہیں جن پہ وہ چیزیں مخفی نہیں ہیں۔ وہ اس کے بارے میں کچھ بتائیں تاکہ باقی لوگ بھی ان مفید چیزوں سے استفادہ کریں۔ جیسے کہ پودوں کے اندر علاج کی چیزیں مخفی ہوتی ہیں، مختلف بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ وہ عام لوگوں سے مخفی ہوتی ہیں لیکن جاننے والوں پہ مخفی نہیں ہوتیں۔ جو لوگ نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھتے ہیں اور ان کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی بندروں سے بہت تنگ ہوا۔ کسی پہاڑی علاقے میں رہتا ہو گا۔ بندر آکر ساری چیزیں چٹ کر جاتے تھے کوئی چیز محفوظ نہیں ہوتی تھی۔ اس نے یوں کیا کہ ایک بہت تیز زہر لے آیا اور کھانے میں ملا کر بندروں کے سامنے ڈال دیا کہ وہ کھا لیں گے تو مر جائیں گے۔ اپنے وقت پہ بندر آئے، جیسے ہی انھوں نے ان چیزوں کو سونگھا تو بغیر کھائے واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بندر واپس آئے اور ان کے ساتھ ایک بہت موٹا بندر بھی تھا۔ ہر بندر کے پاس ایک ٹہنی سی تھی، جس کے کچھ پتے تھے۔ بندر وہ زہر آلود چیز بھی کھاتے تھے اور ساتھ اس ٹہنی سے بھی کھاتے تھے۔ سارا چٹ کر گئے، انہیں کچھ بھی نہ ہوا۔ کیونکہ وہی ٹہنی اس زہر کا علاج اور تریاق تھا۔

مولانا تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب "دنیا میرے آگے" میں یہ واقعہ بتایا ہے کہ ایک دفعہ عرب ممالک میں سفر کے دوران راستہ میں ایک جگہ ٹائر تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہم تھوڑی دیر کے لئے گاڑی سے باہر نکل آئے۔ وہاں ایک بہت خوشبو دار پودا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں اس کی طرف بڑھنے لگا تو وہاں کے مقامی آدمی فوراً میری طرف جھپٹے کہ مولانا اس کو ہاتھ نہ لگائیں۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ اس نے کہا، یہ ایسا پودا ہے کہ اس کو آپ ہاتھ لگائیں گے تو اس کے اندر جو کانٹے ہیں وہ آپ کو چبھ جائیں گے اور ان میں بالکل ایسا زہر ہوتا ہے جیسا بچھو میں ہوتا ہے، آپ کو شدید درد

ہو گا۔ کہتے ہیں میں پیچھے ہو گیا۔ اس نے کہا: لیکن اس کا علاج بھی ہے، اور وہ اس کی جڑوں کے اندر ہے۔ اس نے جڑ کھودی اور اسے نچوڑا تو جڑ سے کچھ پانی سا نکلا اور کہا کہ اگر کسی کو یہ چبھ جائے تو فوراً رس نکال کر تھوڑا سا زبان پر رکھ لے، بس اس کا اثر ختم ہو جائے گا۔ اللہ پاک نے اس کا علاج بھی ساتھ ہی رکھا ہوا ہے لیکن یہ جن کو پتا ہو گا انہی کو پتا ہو گا، اور جن کو پتا نہیں ہو گا، وہ ان سے معلوم کرے گا جن کو پتا ہو گا۔ ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: 43)

ترجمہ: "اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو"

دفتر اول کے مکتوب نمبر 142 میں "ان بزرگوں کی محبت تھوڑی بھی بہت ہے اور بزرگوں کے لباس سے استفادے کی ترغیب" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

فقراء کی محبت اور اس گروہ کی طرف توجہ رکھنا حق جل سلطانہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے اس پر استقامت کی درخواست اور امید ہے۔ وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لئے بھیجی تھی وہ بھی موصول ہو گئی اور سلامتی کی فاتحہ پڑھی گئی۔ اور جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور اس سے جو نسبت (کیفیت) حاصل ہوئی تھی اس کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ خدا نہ کرے کہ اس میں کچھ سستی واقع ہوئی ہو۔

بیت:

یک چشم زدن خیال او پیشِ نظر
بہتر زوصال خوبرو یاں ہمہ عمر
(ایک لمحہ خیالِ حق ہے اگر دائمی وصلِ غیر سے بہتر)

اگر ان بزرگواروں کی نسبت سے تھوڑی سی نسبت بھی حاصل ہو جائے تو اس کو تھوڑا نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ دوسروں کی انتہا ان کی ابتداء میں درج ہے۔ مصرع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا (چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

لیکن اس میں سُستی و کمی کا غم نہیں کرنا چاہئے جبکہ محبت کا رشتہ اس نسبت

والوں کے ساتھ قوی اور مضبوط ہے وہ فرجی (قبا) جو کئی مرتبہ پہنی گئی تھی ارسال کی گئی ہے کبھی کبھی اس کو پہن لیا کریں۔ اور ادب سے محفوظ رکھیں کہ اس سے بہت فوائد کی توقع ہے۔

جب بھی اس قبا کو پہنیں باوضو پہنیں اور سبق کی تکرار کریں، امید ہے کہ پوری طرح طمانیتِ قلب حاصل ہو جائے گی۔ اور جب بھی لکھنا چاہیں تو پہلے اپنے باطنی احوال لکھیں اس لئے کہ ظاہری احوال باطنی احوال کے بغیر اعتماد نہیں رکھتے۔

تشریح:

اب ذرا اس پہ غور فرمائیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان (مکتوب الیہ) کو کوئی قبا عطا فرمائی ہو گی اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو کبھی کبھی پہن لیا کرو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

ایسی چیزوں سے کیسے فائدہ ہوتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔

قرآن پاک میں ہے کہ جس وقت طالوت کو بادشاہ بنا دیا گیا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان کی ہم پر کیا فضیلت ہے؟ نہ ان کے پاس مال ہے نہ کوئی اور فضیلت والی چیز، تو ہم اپنے اوپر ان کی فضیلت کیوں مانیں؟ اللہ پاک نے اپنے نبی کے ذریعہ سے ان تک بات پہنچائی کہ ان کو میں نے دو چیزیں دی ہیں، ایک علم اور دوسری جسمانی قوت اور فرمایا کہ ان کے پاس ایک تابوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (البقرۃ: 248)

ترجمہ: "اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے اس میں بڑی نشانی ہے"۔

اس لئے علماء کرام فرماتے ہیں، بزرگوں کے تبرکات میں سکینہ ہوتا ہے۔ اس

سے سکینہ کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

سکینہ کیا ہے؟ اس کی تعریف صحیح معنوں میں تو نہیں کی جا سکتی۔ لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے، جس کے ذریعہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا ایسا تعلق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ مخلوق کی قوتوں اور تمام چیزوں سے ایک قسم کی غفلت سی رہتی ہے، وہ اس پہ اثر نہیں کرتیں۔ جیسے اگر کوئی کسی کو مارنا چاہتا ہے تو وہ ڈر جاتا ہے، مگر جس کو سکینہ حاصل ہو گا، وہ ڈرے گا نہیں، اس سے بچے گا ضرور، لیکن ڈرے گا نہیں۔ سکینہ کوئی اس قسم کی چیز ہوتی ہے۔ یہی سکینہ احد کے وقت بھی اتارا گیا تھا۔ احد کی لڑائی میں میں مسلمان وقتی طور پر ظاہری شکست سے غم زدہ تھے، اللہ نے ان کے اوپر اونگھ طاری کی تھی۔ اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ جو اونگھ آئی، اس میں اتنا اطمینان حاصل ہو گیا کہ وہ سارا رنج و غم ختم ہو گیا۔

اب چونکہ بزرگوں کا قلب اللہ کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا اثر ان کے لباس اور ان کی تمام چیزوں میں آ جاتا ہے۔ پھر جو لوگ ان کو استعمال کرتے ہیں ان کو بھی وہ سکینہ کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔یہاں پر بھی یہ فرمایا ہے کہ اس میں بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ جب بھی اس قبا کو پہنیں، با وضو پہنیں، قدر کریں اور سبق کی تکرار کریں، امید ہے کہ پوری طرح طمانیتِ قلب حاصل ہو جائے گی۔

طمانیتِ قلب کا اس میں بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالی ہم کو حضرت کے فیوض برکات وافر نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مقاماتِ قطبیہ ومقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے بارے میں ان کے صاحبزادے حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کو حلیم گل بابا کہتے ہیں) نے کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" لکھی تھی، اس سے تعلیم جاری ہے۔ اس میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مقامات کے بارے میں محو کے متعلق بات ہو رہی تھی۔

متن:

"فَمَعْنَی الْمَحْوِ رَفْعُ اَوْصَافِ الْعَادَۃِ وَمَعْنَی الْاِثْبَاتِ اِقَامَۃٌ وَّمَعْنَی الْبَقَاءِ اَحْکَامُ الْعِبَادَۃِ" "محو کے معنٰی عادتی صفتوں کا زائل ہونا اور اثبات کے معنٰی اقامت ہیں، یعنی ثابت رہنا، اور بقا کے معنی عبادت کے احکام ہیں۔" اور پھر محو تین طرح کا ہوتا ہے: "مَحْوُ الذَّاتِ عَنِ الظَّوَاھِرِ وَمَحْوُ الْغَفْلَۃِ عَنِ الضَّمَائِرِ وَمَحْوُ الْغَیْبَۃِ عَنِ السَّرَائِرِ" یعنی ظاہری اشیاء و احکام سے ذات کا محو ہونا اور

(حاشیہ: 1 تلوین۔ گونا گون کرنا۔ رنگا رنگ بنانا۔ اور تصوف میں ایک مقام کا نام ہے)

ضمائر سے غفلت کا محو ہونا اور اسرار و رموز سے غیبت کا محو ہونا۔ اور اسی طرح فنا "وَمَعْنَی الْفَنَاءِ سُقُوْطُ اَوْصَافِ الْمَذْمُوْمَۃِ وَالْغَفْلَۃِ وَثُبُوْتُ اَوْصَافِ الْمَحْمُوْدَۃِ" یعنی فنا کے معنٰی ہیں؛ بُری اور غفلت کی بد ترین عادتوں کا ساقط ہونا اور اوصافِ محمودہ کا ثابت، قائم اور بر قرار ہونا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "اَلْفَنَاءُ صِفَۃُ الْکَوْنِ وَالْبَقَاءُ صِفَۃُ یَکُوْنُ وَمَا کَانَ لِاَجْلِ الْکَوْنِ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ﴾ یَعْنِی الْکَوْنَ ﴿وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ﴾ یَعْنِی الْمُکَوِّنَ فَاَعْمَالُ الْمُخْلِصِیْنَ دَاخِلَۃٌ فِیْ حُکْمِ الْبَقَاءِ لِاَجْلِ الْکَوْنِ وَاَعْمَالُ الْمُرَائِیْنَ دَاخِلَۃٌ فِیْ حُکْمِ الْفَنَاءِ لِاَجْلِ اَنْ یَّطْلُبُوْا بِھَا عِزَّۃً وَّقُوَّۃً"

ترجمہ: "فنا کون کی صفت ہے اور بقا یکون کی صفت ہے (یعنی کُنۡ فَیَکُوۡنُ) کون کے سبب سے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمن: 26) 1؎ یعنی کون (یعنی کائنات اور بنائی ہوئی اشیاء) ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ (الرحمن: 27) 2؎ یعنی مکوِّن، اور وہ باقی رہے گا۔ یعنی مکوِّن (خالق) کی ذات باقی رہے گی۔ تو مخلصین کے اعمال بقا کے حکم میں داخل ہیں کون کی وجہ سے، اور ریاکاروں کے اعمال فنا کے حکم میں داخل ہیں، اس وجہ سے کہ وہ اس سے عزت اور قوت چاہتے ہیں"۔

اور فانی اُس کو کہتے ہیں کہ "لَا يَبْقٰى لِنَفْسِهٖ حَظٌّ وَّلَا لَهٗ مَعَ نَفْسِهٖ نَصِيْبٌ" یعنی نہ تو اُس کو اپنے نفس سے کچھ لطف اور حَظ حاصل ہو اور نہ نفس کا اس میں سے کچھ حصّہ ہو۔ اور کہتے ہیں کہ "اَلْبَقَاءُ فَنَاءُ الْجَهْلِ بِبَقَاءِ الْعِلْمِ وَفَنَاءُ الْغَفْلَةِ بِبَقَاءِ الذِّكْرِ وَفَنَاءُ الْمَعْصِيَةِ بِبَقَاءِ الطَّاعَةِ وَفَنَاءُ الشَّكِّ بِبَقَاءِ الْيَقِيْنِ وَفَنَاءُ الرَّغْبَةِ بِبَقَاءِ الزُّهْدِ وَفَنَاءُ الْحِرْصِ بِبَقَاءِ الْقَنَاعَةِ وَفَنَاءُ الْبُخْلِ بِبَقَاءِ السَّخَاوَةِ وَفَنَاءُ الْكُفْرِ بِبَقَاءِ الشُّكْرِ وَفَنَاءُ الْجَزَعِ بِبَقَاءِ الصَّبْرِ وَفَنَاءُ السَّخَطِ بِبَقَاءِ الرِّضَاءِ وَفَنَاءُ الشِّبَعِ بِبَقَاءِ الْجُوْعِ وَفَنَاءُ الرِّيَاءِ بِبَقَاءِ الْاِخْلَاصِ وَفَنَاءُ الْكِذْبِ بِبَقَاءِ الصِّدْقِ وَفَنَاءُ التَّكَبُّرِ بِبَقَاءِ التَّوَاضُعِ وَفَنَاءُ الْكُلِّ مَا دُوْنَ الْحَقِّ بِالْبَقَاءِ مَعَ الْحَقِّ"۔

ترجمہ: "جہالت، غفلت، معصیت، شک، دنیا کی طرف رغبت، حرص، بخل، کفر، جزع (فریاد کرنا) سخط، بھرے پیٹ کھانا، ریاکاری، جھوٹ، تکبر، غیر اللہ کی فنا: علی الترتیب علم، ذکر، طاعت، یقین، زہد، قناعت، سخاوت، شکر، صبر، رضا، بھوک، اخلاص، سچائی، تواضع اور مع اللہ کی بقاء سے ہے"۔

(حاشیہ: 1؎ جو کچھ دنیا میں ہے، فانی ہے۔ سورۃ الرحمٰن آیت 26)

(حاشیہ: 2؎ اور تمہارے رب کی ذات باقی رہے گی۔ 27)

اور حقیقت کی بات یہ ہے کہ حضرت صاحب اِن اوصافِ فنا و بقا سے موصوف تھے، اور حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شکر اور محو میں غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے اور ان کی تمام حقیقتوں کے شناسا تھے، اور آپ اِس سے آگاہ تھے کہ اِن میں سے کوئی حال آپ سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ "فَالسُّكْرُ اِسْتِيْلَاءُ سُلْطَانِ الْاَحْوَالِ وَالصَّحْوُ الْعَوْدُ اِلٰى

تَرْغِيْبِ الْاَفْعَالِ وَالسُّكْرُ لِاَرْبَابِ الْقُلُوْبِ وَالصَّحْوُ لِلْاَصْحَابِ الْمُكَاشِفِيْنَ حَقَائِقَ الْغُيُوْبِ" "سکر احوال کی قوت کا غلبہ ہے اور صحو افعال کے کرنے کی ترغیب کی جانب پلٹ آنا ہے۔ سکر اربابِ قلوب اور اہلِ دل کے لیے ہے اور صحو غیب کی حقیقتوں کے مکاشفہ کرنے والوں کے لیے ہے"۔

تشریح:

کچھ باتیں ایسی ہیں، جن کا جاننا ضروری ہوتا ہے دو درجوں میں۔ ایک یہ کہ اس کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے، تاکہ اگر اس کو کرنا پڑ جائے، تو جس طریقے سے کرنا ہو اسی طریقے سے کریں اور اس میں جن چیزوں سے بچنا ہو، ان سے بچیں۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے ذرائع کا پتا ہو، چونکہ ذرائع سے چیزیں حاصل ہوتی ہیں، لہذا اس کے لئے آسانی ہو جائے گی۔ صوفیاء کے کلام میں فنا اور بقا کے الفاظ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ عموماً جو لوگ ان چیزوں سے نا واقف ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ شاید فنا اس طرح ہو گا کہ انسان بالکل ختم ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذلک! کیا حضرت سلیمان علیہ السلام ختم ہو گئے تھے؟ بادشاہ تھے اور ایسے بادشاہ تھے کہ اس طرح کی بادشاہت نہ ان سے پہلے کسی کو ملی تھی اور نہ بعد میں کسی کو ملی ہے۔ عام امتی چاہے کتنا ہی اونچا مقام حاصل کر لے، صحابی تک نہیں پہنچ سکتا، اور صحابی چاہے کتنا ہی اونچا مقام حاصل کر لے، نبی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ نتیجتاً پیغمبروں میں ایسے حضرات کا موجود ہونا کہ ان کو دنیا حاصل ہو، اور وہ دنیاوی وجاہت فنا سے مانع نہیں ہوئی، یہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں فنا و بقا کی تعریف میں نہیں آتیں۔ لہذا کوئی اور چیز ہے جس کو سمجھنا ضروری ہے، تاکہ پتا چلے کہ حاصل کس چیز کو کرنا ہے اور بچنا کس چیز سے ہے۔ اسی کو معرفت کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ انسان کا محو ہونا یعنی گم ہونا تین طرح کا ہوتا ہے۔

متن:

"مَحْوُ الذَّاتِ عَنِ الظَّوَاهِرِ وَمَحْوُ الْغَفْلَةِ عَنِ الضَّمَائِرِ وَمَحْوُ الْغَيْبَةِ عَنِ السَّرَائِرِ"

تشریح:

جیسے آپ نے بلیک بورڈ پر کچھ لکھا ہو اور ٹیچر کوئی عرب ہو گا، تو وہ اس کو کیا کرے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کو محو کر دے گا۔

محو الذات عن الظواہر کا مطلب ہے کہ ذات کا ظواہر سے محو ہو جانا اور ظاہری اشیاء اور احکام سے ذات کا محو ہونا، یعنی ظاہری چیزوں سے انسان محو ہو جائے۔ دوسرا محو ضمائر سے غفلت کا ہے۔ اور تیسرا محو اسرار و رموز کی غَیبت کا محو ہونا۔ یعنی ان تین چیزوں سے انسان محو ہو سکتا ہے۔ جب رموز کی غَیبت سے محو ہو گا، تو پھر اس پر چیزیں کھلیں گی، اور اس پر راز کھلیں گے اور انسان غفلت سے بچے گا، اس طرح ظاہر کی اثر کرنے والی چیزوں سے انسان بچے گا۔

متن:

"وَمَعْنَى الْفَنَاءِ سُقُوْطُ اَوْصَافِ الْمَذْمُوْمَةِ وَالْغَفْلَةِ وَثُبُوْتُ اَوْصَافِ الْمَحْمُوْدَةِ" یعنی فنا کے معنٰی ہیں بُری اور غفلت کی بد ترین عادتوں کا ساقط ہونا اور اوصافِ محمودہ کا ثابت، قائم اور برقرار ہونا۔

تشریح:

اس کے اندر ایک گُر کی بات ہے۔ صفاتِ مذمومہ اور صفاتِ محمودہ کا تعین ہم نہیں کر سکتے، ان کا تعین شریعت کرے گی۔ لیکن شریعت پر آنے کے لئے جو چیز مانع ہے، وہ نفس ہے۔ گویا یہ طے ہو گیا کہ نفس صفاتِ محمودہ سے روکتا ہے اور صفاتِ مذمومہ پہ لاتا ہے۔ محمودہ صفات آ جائیں اور مذمومہ صفات ختم ہو جائیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ نفس پیچھے ہو گیا، یعنی اس کا اثر ختم ہو گیا۔

If anything is based on some input and we get that output which is required so it means that input has finished

یعنی input ختم ہو گئی، تبھی تو وہ چیز حاصل ہے۔ ورنہ پھر اگر وہ چیز ہوتی، تو یہ چیز حاصل نہ ہوتی۔ گویا نفس کی فنا کی تعریف لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ نفس کیسے ختم ہو۔ اس کی سمجھ آئے بھی کیسے! کیونکہ نفس ایسی چیز ہے، جس کو سمجھنا بڑا

مشکل ہے۔ لیکن نفس جو کچھ کر رہا ہے اور جس سے بچنا ہے، اگر وہ سمجھ میں آ جائے، تو مقصد حاصل ہو گیا۔ ہم نفس کے دشمن تو نہیں ہیں، ہم تو نفس کے شر سے بچنا چاہتے ہیں۔ نفس بذاتِ خود ایک ایسی چیز ہے، جس کے ذریعے سے ہمیں سارے کام کرنے پڑ رہے ہیں۔ نفس تین چیزوں سے ناشی ہے: خواہشات، لذات اور ضروریات۔ خواہشات اور لذات تو آپ کنٹرول کر لیں گے، ضروریات کے ساتھ کیا کریں گے؟ وہ بھی تو نفس ہی چلا رہا ہے۔ آپ کو بھوک نہیں لگے گی، تو کھانا نہیں کھاؤ گے۔ کھانا نہیں کھاؤ گے، تو آپ کی صحت نہیں رہے گی۔ صحت نہیں رہے گی، تو زندگی نہیں رہے گی، تو پھر عبادت کیسے کرو گے؟ اب بھوک کا لگنا نفس کے ذریعے سے ہے، اس کو آپ ختم نہیں کر سکتے۔ یرقان کی بیماری میں بھوک ختم ہو جاتی ہے، لوگ بڑے پریشان ہو جاتے ہیں، ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں کہ بھوک کیسے بڑھائیں، ابھی مجھے ایک دوائی کا نام یاد آیا ہے، جو اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہے: "Metatrum"۔ تاکہ بھوک واپس آ جائے۔ لہٰذا بھوک بھی ایک نعمت ہے۔ درد بھی ایک نعمت ہے، جو آپ کو بتا رہا ہے کہ کہیں کوئی مسئلہ ہے۔ درد نہ ہو، تو کیسے پتا چلے گا۔ جو ہارٹ اٹیک بغیر کے درد ہوتا ہے، وہ کافی خطرناک ہوتا ہے، کیونکہ اس کا پتا ہی نہیں چلتا۔ لیکن جس چیز کا پتا چل رہا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ آپ کو خبردار کر رہا ہے۔ لہٰذا ضرورت کی یہ چیزیں بھی نفس کے ساتھ ہیں، یہ ختم نہیں ہو سکتیں۔ لیکن نفس کی جو چیزیں شر والی ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ ضرورت سے آگے بڑھ کر خواہشات کے دائرے میں جانا اور خواہشات سے آگے لذات کے دائرے میں آ جانا؛ یہ ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر خواہش میں لذت کا ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن لذت بذاتِ خود ایک حقیقت ہے۔ پس خواہش ضرورت سے بڑھ کے ہے۔ انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ ضرورت متناہی ہے، خواہشات لامتناہی ہیں۔ اور لذات ایک ایسی چیز ہیں، جو اپنی صورت تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ جیسے: جو چیز آج آپ کو لذیذ ہے، وہ جب مسلسل آپ کو ملے گی، تو اس کی لذت ختم ہو جائے گی، پھر آپ اس سے زیادہ کا چاہیں گے۔ پھر جب آپ کو اس میں لذت ملتی ہے، تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اس کی ایک آسان ترین مثال دیتا ہوں، جب آپ پہلی بار شاعری سنتے ہیں،

تو اس میں کتنا مزہ آتا ہے؟ لیکن ابھی آپ نے دو تین دفعہ سنی ہو گی کہ اس کے بعد آپ نہیں سنیں گے، پھر آپ اس سے آگے کا سوچیں گے کہ یہ چیز مل جائے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ شاعری میں مزہ نہ ڈھونڈو، ورنہ پھنس جاؤ گے، وہ چیز حاصل نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ تذکیر لازم ہے، لہٰذا جو شاعری تذکیر کے لئے ہے، اس کو اگر آپ مزے کے لئے سنیں گے، تو اکتا جائیں گے۔ حالانکہ تذکیر کے لئے تو بار بار سننے کو کہتے ہیں، لیکن آپ بار بار سن نہیں سکیں گے۔ لیکن اگر آپ اس سے نصیحت لیتے ہیں، تو نصیحت کے لئے بار بار آپ سن سکتے ہیں اور آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں مجھے فائدہ ہے، لہٰذا آپ اس کو بار بار سن سکتے ہیں۔

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ نفس میں تین چیزیں ہیں: ضروریات کا ادراک، خواہشات کا ادراک اور لذات کا ادراک۔ جو چیزیں خواہشات اور لذات کی وجہ سے مسائل پیدا کر رہی ہیں، کیونکہ خواہشات لا محدود ہیں، اس لئے ان میں ٹکراو (clash) بھی آتا ہے، کیونکہ چیزیں محدود ہیں اور خواہشات لا محدود ہیں۔ چنانچہ اس پہ لڑائی تو ہو گی، کیونکہ دنیا میں وہ چیزیں محدود ہیں۔ مثلاً: زن، زر، زمین، تین چیزیں ہیں۔ انہی پہ لڑائیاں ہوتی ہیں، اور یہ محدود ہیں۔ لیکن خواہشات لا محدود ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میں تمام دولت کا مالک ہو جاؤں۔ اور جب لڑائی ہو گی، تو ظلم بھی ہو گا، دھوکہ بھی ہو گا، فراڈ بھی ہو گا۔ یہ چیزیں نفس کی وجہ سے ہی آتی ہیں۔ حرص آتی ہے، جو اُم الامراض کہلاتی ہے۔ باقی ساری چیزیں اس کی وجہ سے آئیں گی۔ اگر آپ نے نفس سے ان چیزوں کو ہٹا دیا، تو یہ فنا ہے۔ اور اس کی وجہ سے خود بخود صفاتِ محمودہ حاصل ہوں گی۔ کیونکہ جب آپ نے ریا کو ختم کیا، تو اخلاص مل گیا۔ بے صبری کو ختم کیا، تو صبر مل گیا۔ نا شکری کو ختم کیا، تو شکر مل گیا۔ یہی صفاتِ محمودہ ہیں۔ ان کی طرف آنا اور ان پر قائم اور برقرار رہنا؛ یہ بقا ہے۔ یہ بہت اچھی تعریف ہے، اس سے کافی اشکالات دور ہوتے ہیں۔

متن:

"وَمَعْنَى الْفَنَاءِ سُقُوْطُ اَوْصَافِ الْمَذْمُوْمَةِ وَالْغَفْلَةِ وَثُبُوْتُ اَوْصَافِ الْمَحْمُوْدَةِ" یعنی فنا کے معنٰی ہیں؛ بُری اور غفلت کی بد ترین عادتوں کا ساقط ہونا

اور اوصافِ محمودہ کا ثابت، قائم اور برقرار ہونا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "اَلْفَنَاءُ صِفَةُ الْكَوْنِ وَالْبَقَاءُ صِفَةُ يَكُوْنُ وَمَا كَانَ لِاَجْلِ الْكَوْنِ، قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ يَعْنِى الْكَوْنَ ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ يَعْنِى الْمُكَوِّنَ فَاَعْمَالُ الْمُخْلِصِيْنَ دَاخِلَةٌ فِىْ حُكْمِ الْبَقَاءِ لِاَجْلِ الْكَوْنِ وَاَعْمَالُ الْمُرَائِيْنَ دَاخِلَةٌ فِىْ حُكْمِ الْفَنَاءِ لِاَجْلِ اَنْ يَّطْلُبُوْا بِهَا عِزَّةً وَّقُوَّةً"

ترجمہ: "فنا کون کی صفت ہے اور بقا یکون کی صفت ہے کون کے سبب سے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمن: 26)

1ـ یعنی کون (یعنی کائنات اور بنائی ہوئی اشیاء)

تشریح:

یعنی یہ فانی ہونے والی ہیں اور جس نے بنائی ہیں، وہ فانی نہیں ہو گا، وہ باقی ہے۔ یعنی اللہ باقی ہے اور باقی چیزیں فانی ہیں۔ لہٰذا اگر یہ چیزیں فانی کے لئے ہوں گی، تو فانی بن جائیں گی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو کسی کی زیارت ہو گئی، تو حضرت نے اپنے نام کے لحاظ سے فرمایا کہ جو چیزیں محض اللہ کے لئے کی جائیں، وہ باقی ہیں اور جو چیزیں کسی اور کے لئے کی جائیں، وہ فانی ہیں۔ کتنی زبردست تعریف فرمائی۔ یہاں بھی یہ فرمایا کہ کائنات کی جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ اللہ نے بنائی ہیں، لیکن فانی ہیں۔ انسان کو بھی اللہ پاک نے بنایا ہے، یہ بھی فانی ہے۔ آسمان بھی اللہ پاک نے بنایا ہے، فانی ہے۔ اس میں جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ فانی ہیں۔ لیکن اللہ جل شانہ جو کہ بنانے والا ہے، وہ باقی ہے۔ اگر کوئی شخص باقی کے لئے کام کرے، تو وہ کام باقی ہو جائے گا، کیونکہ باقی باقی بناتا ہے، یعنی باقی کے لئے جو چیزیں کی جاتی ہیں، وہ باقی بن جاتی ہیں۔ جیسے آپ جو نیکی اللہ کے لئے کریں، وہ ضائع نہیں ہو گی۔ اگر اس نیکی میں کسی اور کو شریک کر لیں، تو وہ ضائع ہو گئی۔ لہٰذا اخلاص یہی ہے کہ خالصتاً لِوَجْہِ اللہ نیکیاں کی جائیں۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ صفت بتائی ہے: ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (الکہف: 28) یعنی وہ اللہ جل شانہ کی رضا چاہتے ہیں۔ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے اللہ کی رضا چاہتے ہیں، لیکن یہ عنوان کیسا پیارا بنایا: ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ اگر اس کا ترجمہ کریں، تو یوں ہو گا: "اللہ تعالیٰ کا چہرہ چاہتے ہیں"۔ اللہ

تعالیٰ کا چہرہ تو ہے ہی نہیں۔ لیکن اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔

متن:

تو مخلصین کے اعمال بقا کے حکم میں داخل ہیں کون کی وجہ سے، اور ریا کاروں کے اعمال فنا کے حکم میں داخل ہیں، اس وجہ سے کہ وہ اس سے عزت اور قوت چاہتے ہیں"۔

اور فانی اُس کو کہتے ہیں کہ "لَا یَبْقٰی لِنَفْسِہٖ حَظٌّ وَّلَا لَہٗ مَعَ نَفْسِہٖ نَصِیْبٌ" یعنی نہ تو اُس کو اپنے نفس سے کچھ لطف اور حَظ حاصل ہو اور نہ نفس کا اس میں سے کچھ حصّہ ہو۔ اور کہتے ہیں کہ "اَلْبَقَاءُ فَنَاءُ الْجَھْلِ بِبَقَاءِ الْعِلْمِ وَفَنَاءُ الْغَفْلَۃِ بِبَقَاءِ الذِّکْرِ وَفَنَاءُ الْمَعْصِیَۃِ بِبَقَاءِ الطَّاعَۃِ وَفَنَاءُ الشَّکِّ بِبَقَاءِ الْیَقِیْنِ وَفَنَاءُ الرَّغْبَۃِ بِبَقَاءِ الزُّھْدِ وَفَنَاءُ الْحِرْصِ بِبَقَاءِ الْقَنَاعَۃِ وَفَنَاءُ الْبُخْلِ بِبَقَاءِ السَّخَاوَۃِ وَفَنَاءُ الْکُفْرِ بِبَقَاءِ الشُّکْرِ وَفَنَاءُ الْجَزَعِ بِبَقَاءِ الصَّبْرِ وَفَنَاءُ السَّخَطِ بِبَقَاءِ الرِّضَاءِ وَفَنَاءُ الشِّبَعِ بِبَقَاءِ الْجُوْعِ وَفَنَاءُ الرِّیَاءِ بِبَقَاءِ الْاِخْلَاصِ وَفَنَاءُ الْکَذِبِ بِبَقَاءِ الصِّدْقِ وَفَنَاءُ التَّکَبُّرِ بِبَقَاءِ التَّوَاضُعِ وَفَنَاءُ الْکُلِّ مَا دُوْنَ الْحَقِّ بِالْبَقَاءِ مَعَ الْحَقِّ"۔

ترجمہ: "جہالت، غفلت، معصیت، شک، دنیا کی طرف رغبت، حرص، بخل، کفر، جزع (فریاد کرنا) سخط، بھرے پیٹ کھانا، ریاکاری، جھوٹ، تکبر، غیر اللہ کی فنا؛ علی الترتیب علم، ذکر، طاعت، یقین، زہد، قناعت، سخاوت، شکر، صبر، رضا، بھوک، اخلاص، سچائی، تواضع اور مع اللہ کی بقاء سے ہے"۔

(حاشیہ: 1۔ جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے۔ سورۃ الرحمٰن آیت 26)

(حاشیہ: 2۔ اور تمہارے رب کی ذات باقی رہے گی۔ 27)

اور حقیقت کی بات یہ ہے کہ حضرت صاحب اِن اوصافِ فنا و بقا سے موصوف تھے۔

تشریح:

حضرت یہاں یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ یہ جو چیزیں حاصل کرنی ہوتی ہیں، انہیں سے سارے مراتب حاصل ہوتے ہیں اور کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ پاک نے یہ ساری چیزیں نصیب فرمائی تھیں۔ میں آپ کو کیا بتاؤں! آج کل کا دور بڑا عجیب ہے کہ جب

بزرگوں کے بارے میں کوئی تذکرہ کرتے ہیں، تو جس چیز کا تذکرہ کرنا ہوتا ہے، اس کا تذکرہ نہیں کرتے، اور جس چیز کے تذکرہ سے فائدہ نہیں ہوتا، اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً: اگر میں کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہزار کرامات بتاؤں، تو سوائے اس کے اور کیا فائدہ ہو گا کہ مجھے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محبت ہو جائے گی اور کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کو میں تسلیم کر لوں گا۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا؟ اور اگر میں پہلے سے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگ مانتا ہوں، تو مجھے اس وقت کسی کرامت کے جاننے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ مجھے پتا ہے کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بزرگ ہیں، میں بغیر اس کے مانتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ تو مجھے کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی ضرورت ہے کہ جس طریقے سے وہ کاکا صاحب بنے تھے، اس طریقے کی ضرورت ہے۔ اگر میں وہ سیکھ لوں، تو میرے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ حضرت کے صاحبزادہ حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اول تو ان چیزوں کا تصوف کے اندر مقام بتا دیا کہ تصوف کے اندر ان کا کیا مقام ہے۔ اور پھر فرمایا کہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ چیزیں حاصل تھیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہو گئے۔ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف بھی ہو گیا۔ اس سے اچھا تعارف اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس تعارف کے ساتھ تعلیم بھی ہو گئی کہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ چیزیں حاصل تھیں، ہم بھی ان چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں اور ہمیں ان چیزوں کو حاصل کرنے کا حکم بھی ہے۔ تو ماشاء اللہ ایک ہی بات سے دونوں کام ہو گئے ہیں۔ اور فرمایا:

متن:

اور حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شکر اور محو میں غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔

تشریح:

یہ بات بالکل صحیح ہے، حضرت کے واقعات موجود ہیں۔

متن:

اور ان کی تمام حقیقتوں کے شناسا تھے، اور آپ اِس سے آگاہ تھے کہ اِن میں سے کوئی حال آپ سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ (یعنی چیزوں کو جانتے تھے، تبھی تو کرتے

تھے) "فَالسُّکْرُ اِسْتِیْلَاءُ سُلْطَانِ الْاَحْوَالِ وَالصَّحْوُ الْعَوْدُ اِلٰی تَرْغِیْبِ الْاَفْعَالِ وَالسُّکْرُ لِاَرْبَابِ الْقُلُوْبِ وَالصَّحْوُ لِاَصْحَابِ الْمُکَاشِفِیْنَ حَقَائِقَ الْغُیُوْبِ" "سکر احوال کی قوت کا غلبہ ہے اور صحو افعال کے کرنے کی ترغیب کی جانب پلٹ آنا ہے۔

تشریح:

یعنی انسان کے اوپر جب حال غالب آتا ہے، تو وہ مغلوب الحال ہو جاتا ہے۔ اس وقت حال کے زور کی وجہ سے اس کے قویٰ جواب دینے لگتے ہیں۔ نتیجتاً جو وہ نہیں چاہتا، وہ کرنے لگتا ہے۔ مثلاً: عام طور پر کوئی شخص بیٹھے بیٹھے چیخنا نہیں چاہتا، لیکن جو صاحبِ حال ہو گا، وہ چیخ بھی لے گا، اچھلے گا بھی، عین ممکن ہے کہ گر جائے، عین ممکن ہے کہ بے ہوش ہو جائے، عین ممکن ہے کہ منہ میں جھاگ آ جائے، عین ممکن ہے کہ رونے لگ جائے۔ یہ ساری باتیں اس کے کنٹرول سے باہر ہوتی ہیں۔ کیوں کہ حال اس پہ غالب آ گیا۔ اب میں ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور صحو حال کے اوپر غالب آ گیا۔ اب بتائیے! حال کے اوپر غالب آنا اونچا حال ہے یا حال کا انسان کے اوپر غالب آنا اونچا حال ہے؟ مثلاً: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ صحو تھے، بلکہ صحو کی سب سے بڑے عملاً اور قولاً تشریح کرنے والے ہیں۔ حضرت ایک دفعہ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، ایک شعر پڑھا گیا، اس شعر کے پڑھنے کی وجہ سے محفل کے سارے لوگوں پہ وجد طاری ہو گیا۔ حضرت بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے، ان کو کوئی بھی حرکت نہیں ہوئی۔ لوگ حیران ہو گئے کہ سارے لوگ متاثر ہو رہے ہیں، حضرت کے اوپر اس کا اثر ہی نہیں ہے۔ کسی قریبی شخص نے کہا کہ حضرت! آپ کو بھی کچھ اثر ہوتا ہے؟ فرمایا: میرے جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگا لو، جیسے ہاتھ لگایا، تو وہاں سے خون ابل پڑا۔ لہٰذا اندر تو یہ حال تھا، لیکن باہر نہیں تھا۔ باہر کنٹرول تھا۔ یہ حال کے اوپر غالب آنا ہے۔ پھر فرمایا: سب کچھ ہو، لیکن اندر ہی اندر ہو، باہر نہ ہو۔ حضرت کا مشہور فقرہ ہے: "اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ" "استقامت کرامت سے اونچی چیز ہے"۔ کیونکہ کرامت غیر اختیاری ہے اور استقامت اختیاری ہے۔ اختیاری کی پوچھ ہے، غیر اختیاری کی پوچھ نہیں ہے۔ مثلاً: آپ نے بہت اچھا خواب دیکھا، یہ غیر اختیاری ہے۔ آپ نے صرف سبحان اللہ کہا، یہ اختیاری ہے۔ سبحان اللہ کا ثواب ہے، اچھے خواب کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس پر خوشی ہوتی ہے، مگر ثواب

نہیں ہے، کیوں کہ یہ اختیاری نہیں ہے، غیر اختیاری ہے۔ اسی طرح سادات میں پیدا ہونے کا کوئی ثواب نہیں ہے، البتہ یہ سعادت ہے، سعادت اس طرح ہے کہ اگر وہ پہچان لے اور اچھے اعمال کر لے، تو ماشاء اللہ بہت آگے جا سکتا ہے، برکت بھی ساتھ ہو گی، اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن ویسے سادات میں پیدا ہونے سے کوئی ثواب نہیں ہے۔ اسی طرح غیر اختیاری چیزوں کا کوئی ثواب نہیں ہوتا اور اختیاری چیزوں کا ثواب ہوتا ہے۔ اسی طرح استقامت ایک اختیاری چیز ہے اور کرامت غیر اختیاری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک دفعہ اس کی تشریح فرمائی تھی۔ وہاں پر بھی ایک حال اس طرح ہو گیا تھا کہ کوئی شعر پڑھا گیا تھا، ایک بزرگ مہمان آئے ہوئے تھے، ان پہ وجد کی کیفیت آ گئی۔ جیسے ہی ان کے اوپر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، ساتھ ہی سرہند کی زمین ہلنے لگی۔ بڑے بزرگ ہوں گے۔ حضرت نے اپنے خادم سے کہا: مسواک دو، اس نے مسواک دی، تو حضرت نے مسواک کو زمین کے اوپر گھاڑ دیا، زمین رک گئی۔ پھر فرمایا: دیکھو! آپ کی کرامت سے سرہند کی زمین ہلنے لگی۔ میں اگر چاہوں، تو سرہند کے مردے زندہ ہونے لگیں۔ (یہ بہت بڑی بات ہے، حضرت ہی کہہ سکتے تھے) پھر فرمایا: لیکن یہ آپ کی کرامت اور یہ میری کرامت، دونوں اس مسواک کے برابر نہیں ہیں، کیونکہ یہ سنت ہے۔ اب کبھی کسی مسواک کرنے والے نے سوچا ہے کہ میرے پاس یہ چیز ہے، جو مردہ زندہ کرنے سے بھی اونچی چیز ہے۔ مسواک تو کرتے ہیں، لیکن اس کے اس مقام کو نہیں سوچتے۔ یہی بصیرت اور معرفت ہے۔ یہی معرفت ہے کہ اس کا ادراک ہو۔ اب الحمد للہ یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ عارف کی دو رکعتیں غیر عارف کی لاکھوں رکعتوں سے افضل ہوتی ہیں۔ کیوں؟ دیکھیں! جو مسواک کر رہا ہے، وہ اس کو اس معنٰی میں لے رہا ہے، تو اس کا اجر اور ہو گا اور جو مسواک کو محض عادت کے طور پہ کر رہا ہے، اس کا اجر اور ہو گا، دونوں میں فرق ہو گا۔ گویا معرفت سے کچھ فرق پڑ رہا ہے۔ یہی اصل بات ہے۔ لہٰذا اگر معرفت حاصل ہو جائے، تو اعمال کی قیمت بہت اونچی ہو جاتی ہے۔ انہی باتوں کے لئے ہی ہم بزرگوں کے پاس جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:

متن:

سکر احوال کی قوت کا غلبہ ہے اور صحو افعال کے کرنے کی ترغیب کی جانب پلٹ آنا ہے۔

یعنی اب انسان اعمال کرنے کے قابل ہو گیا، حال پر غالب آگیا، حال سے مغلوب نہیں ہے۔

متن:

سکر اربابِ قلوب اور اہلِ دل کے لیے ہے اور صحو غیب کی حقیقتوں کے مکاشفہ کرنے والوں کے لیے ہے"۔

تشریح:

اس کے بارے میں اگر میں کچھ عرض کروں، تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الطافُ القدس" جسے میں آج کل پڑھ رہا ہوں۔ اس میں حضرت نے فرمایا کہ قلب (دل) کی ترقی یافتہ صورت روح (لطیفۂ روح) ہے۔ قلب میں نفس بھی شامل ہے، روح کے ساتھ ملا ہوا ہے، لیکن جب آپ مجاہدہ کر کے روح کو نفس سے علیحدہ کر لیتے ہیں، تو وہ اونچی چلی جاتی ہے، یہ پھر لطیفۂ روح بن جاتا ہے اور لطیفۂ روح آزاد ہو جاتا ہے۔ جب لطیفہ روح آزاد ہو گیا، تو اس سے پھر مکاشفات ہونے لگتے ہیں، چیزوں کے حقائق کھلنے لگتے ہیں، پتا چلنے لگتا ہے، معرفت حاصل ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا معرفت کی کنجی یہ ہے کہ نفس سے روح کو آزاد کرا دو۔ پھر چیزوں کے حقائق کھلنے لگ جائیں گے۔ جب تک نفس نے روح کو باندھا ہوا ہے اور کھینچا ہوا ہے اور چھوڑ نہیں رہا، اس وقت تک آپ کے اوپر حقائق نہیں کھلیں گے اور حقائق سمجھ میں نہیں آئیں گے، جو سب کو پتا ہیں، وہ بھی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں، جیسے: شوگر کے مریض کو میٹھا کھانے سے نقصان ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے۔ اس کے لئے کسی ریسرچ کی ضرورت نہیں ہے، سب لوگ مانتے ہیں، سب لوگ جانتے ہیں، لیکن نفس زدہ شخص، جو نفس کی بات کو نہیں ٹھکرا سکتا، اس کے سامنے جب میٹھی چیز آئے گی، تو وہ کھا لے گا اور نقصان اٹھائے گا۔ لہٰذا اُجلہ اور عاجلہ والی بات نافذ ہو جائے گی۔

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ (القیامۃ: 21-20)

ترجمہ: "خبر دار (اے کافرو!) اصل بات یہ ہے کہ تم فوری طور پر حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت کرتے ہو۔ اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو"۔

نتیجتاً بعد میں آنے والے نقصان کو کم سمجھ کر اور فوری مزے کو زیادہ سمجھ کر، جو کہ بے انتہا درجہ کی حماقت اور غفلت ہے، وہ نافذ ہو جائے گی۔

لہٰذا روح اگر نفس سے آزاد نہیں ہے، تو جو حقیقت معلوم ہے، اس سے بھی استفادہ ممکن نہیں ہے، چہ جائے کہ دوسری حقیقتوں تک پہنچ جائیں۔ لیکن اگر روح نفس سے آزاد ہو گئی، تو یہ روح اللہ کی طرف جائے گی اور اللہ کی طرف سے اس کے اوپر معرفتوں کا جو سیلان ہو گا، وہ اس کو مالا مال کر دے گا، پھر اس کے اوپر مکاشفات ہونے لگیں گے، چیزوں کی حقیقتیں کھلنے لگیں گی، نماز کی حقیقت کھلے گی، خانہ کعبہ کی حقیقت کھلے گی۔

نفس زدہ شخص خانہ کعبہ سے کچھ نہیں لے سکتا۔ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھا ہو گا، لیکن نہیں لے سکے گا۔ موبائل آج کل ایک مصیبت ہے، جو ہر ایک کے پاس ہے۔ میں وہاں (حرم میں) بیٹھا ہوا تھا، تو دیکھا کہ لوگ ٹاور کی تصویریں بنا رہے ہیں۔ ٹاور پاس نظر آتا ہے، حالانکہ خانہ کعبہ بالکل سامنے ہے، اس کو نہیں دیکھ رہے، جس کا ثواب ہے، ٹاور کو دیکھنے کا کیا ثواب ہے؟ ادھر ادھر چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ خدا کے بندو! اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھو، خانہ کعبہ کو دیکھو، اس پر ثواب ہے۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا۔ اسی لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر انسان کی روح نفس سے آزاد نہ ہو، تو مکاشفات نہیں ہوں گے، حقیقتیں نہیں کھلیں گی۔ جب لطیفۂ روح نفس سے آزاد ہو گیا، تو پھر نفس کے نیچے جانے میں خیر ہے، اسی سے عبدیت پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کے اوپر جانے میں خیر ہے، اسی سے روحانیت پیدا ہوتی ہے۔ تو دونوں اپنی اپنی جگہ پہ چلے جائیں گے۔ روحانیت بھی حاصل ہو جائے گی، عبدیت بھی حاصل ہو جائے گی۔

پھر یہی قلب جو خالی ہو گیا ہے، یہ برزخ بن جائے گا۔ ایک طرف اس کا نفس ہو گا، دوسری طرف اس کی روح ہو گی، روح کے ذریعے سے اللہ سے لے گا اور نفس کے ذریعے سے دوسروں کو یعنی مخلوق کو دے گا۔ مخلوقات کے احساسات نفس کے ذریعے

سے معلوم کرے گا، ان کا حل اللہ تعالیٰ سے روح کے ذریعے سے لے گا۔ سبحان اللہ! ایک اعلیٰ شخص ہو گیا۔ یہی بات حضرت فرمانا چاہتے ہیں، اور فرمایا کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان چیزوں کے ما شاء اللہ حاملین میں سے تھے۔ (اور اس علم کی رسومات میں سے ایک جمع و تفرقہ ہے) سبحان اللہ! کیا باتیں ہیں! کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اگر ہم اس وقت نہ پڑھتے کہ جب ہم نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پڑھی ہیں، تو یہ باتیں کیسے سمجھ میں آتیں؟ یہ حضرت کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں سمجھا رہے ہیں۔

متن:

اور اس علم کی رسومات میں سے ایک جمع و تفرقہ ہے، جمع کی تعریف اہلِ تصوف نے یوں فرمائی ہے: "اَلْجَمْعُ ھُوَ اَنْ یَّکُوْنَ فَانِیًا عَنْ نَفْسِهٖ وَیَرَى الْاَشْیَاءَ کُلَّھَا بِهٖ وَلَهٗ وَاِلَیْهِ وَمِنْهُ" یعنی جمع یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور تمام اشیاء ایسی نظر سے دیکھے کہ یہ اُس کے ذریعے سے ہیں، اس کے لیے ہیں، اس کی جانب ہیں اور اس کی جانب سے ہیں۔

تشریح:

یعنی نفس کے لئے کچھ نہ ہو، اللہ کے لئے ہو۔ کسی چیز سے رکنا بھی اللہ کے لئے ہو، کسی چیز کو کرنا بھی اللہ کے لئے ہو۔ ان دونوں کو جمع فرماتے ہیں۔

متن:

اور تفرقہ یہ ہے کہ انسان اپنا عمل و کردار عبودیت سے حاصل کرے، "فَلَا بُدَّ لِلْعَبْدِ مِنَ الْجَمْعِ وَالتَّفْرِقَةِ فَاِنَّ مَنْ لَّا تَفْرِقَةَ لَهٗ لَا عُبُوْدِیَّةَ لَهٗ وَمَنْ لَا جَمْعَ لَهٗ لَا مَعْرِفَةَ لَهٗ ﴿یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ﴾ اِشَارَةٌ اِلَی التَّفْرِقَةِ" بندہ کے لیے جمع اور تفرقہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ جس کو تفرقہ نہ ہو، اس کو عبودیت نصیب نہیں، اور جس کو جمع حاصل نہ ہو، اس کو معرفت ہاتھ نہیں آتی۔

تشریح:

یہ وہی بات نافذ ہو رہی ہے، جو میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ تفرقہ (یعنی عبودیت)

نفس کی فنا کے ذریعے سے حاصل ہو رہا ہے اور معرفت روح کی آزادی کے ذریعے سے حاصل ہو رہی ہے، یعنی روح آزاد ہو گئی ہے۔ یہی بات حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب شریف 287 میں بہت کھول کے بیان فرمائی ہے کہ جب تک انسان مقامِ قلب سے باہر نہیں نکلتا، یعنی نفس اور روح کو علیحدہ نہیں کرتا، اور روح کو نفس سے آزاد نہیں کرتا، اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس کو آگے جانے کا راستہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا پہلے روح اللہ کے پاس جائے گی، تو یہ جمع ہے۔ پھر اللہ کے حکم سے وہاں سے مخلوق کی طرف واپس آئے گی، تو یہ جمع الجمع ہے۔ حضرت نے اس کی تشریح میں پوری تفصیل بیان فرمائی، وہاں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ فرمایا کہ:

﴿يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ: 213) کا اشارہ اہلِ تفرقہ کے لئے ہے۔ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ بِهٖ تَفْرِقَةٌ مِّنْ غَيْرِهٖ۔

تشریح:

حق کے ساتھ جمع ہونا یعنی حق کی طرف رجوع کرنا، یہ غیر سے جدا ہونا ہے۔ "وَالتَّفْرِقَةُ مِنْ غَيْرِهٖ بِالْجَمْعِ بِهٖ" "اور اس کے غیر سے علیحدہ ہونا اس کی جمع کے ساتھ" یعنی اس کی طرف رجوع کے ساتھ۔

متن:

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب قلبِ سلیم کے مالک تھے اور قلبِ سلیم بغیر انبیاء علیہم السلام اور خاص اولیاء کرام کے اور کسی کا نہیں ہوتا، جو کہ اِن کے ساتھ مخصوص ہے۔

قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے، جو بیمار نہیں ہے۔ جو دل بیمار نہیں ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں، جن کا ابھی ذکر ہوا تھا کہ اس کے اندر جو بری صفات ہیں، جب تک ان سے فنا حاصل نہ کرے اور اچھی چیزوں کے ساتھ جب تک بقا حاصل نہ کرے، تو وہ قلبِ سلیم نہیں ہے اور جب یہ چیزیں حاصل ہو جائیں، تو وہ قلبِ سلیم ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ دل کے اوپر محنت کے ذریعے جب دل میں یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں، تو اس کے بعد ان کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ نفس کا تزکیہ کرایا جائے۔ کیونکہ جب تک

نفس کا تزکیہ نہیں کرایا جائے گا، تو یہ جو دل کی اچھی حالت ہے، یہ عارضی ہے، دل فوراً خراب ہو جائے گا۔ مثلاً: آپ راستے میں جا رہے ہوں اور آپ کی عینک ماحول کی وجہ سے گدلی ہو جائے، آپ اس کو صاف کر لیں اور پھر پہن لیں، تو ماحول تو وہی ہے، اس لئے وہ پھر گندی ہو جائے گی۔ جب تک آپ اپنے ماحول کو درست نہیں کریں گے، تب تک یہ چیز چلتی رہے گی۔ لہٰذا جب تک ہمارے نفس کا تزکیہ نہ ہوا ہو، چاہے ہمارے دل کی اصلاح ہو بھی جائے، وہ عارضی ہو گی، فوراً نفس اس کو پھر دوبارہ آلودہ کر لے گا، پھر اس پہ دوبارہ اس کا اثر آ جائے گا اور وہی چیزیں اس کے اندر دوبارہ آ جائیں گی۔ اس میں ایک خطرناک چیز ہے، جسے میں عرض کرنا چاہوں گا، اور وہ اس مکتوب شریف میں بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے دل کی اصلاح نہیں کر چکا، وہ اپنے آپ کو مریض سمجھ رہا ہے اور لوگ بھی اس کو اہل اللہ نہیں سمجھتے، اس کا اس کو تو نقصان ہے، لیکن اس کا نقصان متعدی نہیں ہے، اس کا نقصان دوسروں کو نہیں پہنچ رہا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے دل کی اصلاح کر لے، اور جس چیز سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو اجازت نہیں دینی چاہئے، جس کی صرف دل کی اصلاح ہو چکی ہو، اس کے نفس کا تزکیہ نہ ہوا ہو، اگر کچھ بزرگ انعکاسی فیض کی وجہ سے یا انہیں حاصل شدہ وقتی صفائی کی وجہ سے ان کو اجازت دیتے ہیں، تو دو نقصان ہوں گے۔ ایک نقصان تو خود اس کا اپنا ہے کہ وہ مطمئن ہو جائے گا کہ اب میں کامل ہو گیا ہوں، لہٰذا مزید آگے بڑھنے کی محنت نہیں کرے گا اور نتیجتاً ترقی بھی نہیں کرے گا۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ لوگ بھی اس کو بزرگ سمجھیں گے۔ جب لوگ اس کو بزرگ سمجھیں گے اور اس کے ساتھ بزرگوں والا معاملہ کریں گے، تو اس کا نفس مزید موٹا ہوتا جائے گا۔ کیونکہ اس کے نفس کی اصلاح تو ہوئی نہیں ہے، لہٰذا مستقل طور پر مصیبت میں پڑ جائے گا، اور لوگ بھی اس کی وجہ سے خراب ہوں گے۔ اسی لئے حضرت نے یہ مکتوب شریف لکھا تھا۔ آپ حضرات فارسی جانتے نہیں ہیں، ورنہ میں آپ کو حضرت کا فارسی کا کلام سناتا، تو آپ حیران ہو جاتے کہ کس درد سے لکھا ہے۔ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ترجمے میں اتنی طاقت کہاں ہوتی ہے! بہت درد سے لکھا ہے۔ حضرت نے اپنے بھائی کو لکھا

ہے کہ میں آج کل دیکھ رہا ہوں کہ لوگ جذب اور سلوک کے سمجھنے میں غلطیاں کر رہے ہیں۔ کمال کی بات ہے کہ حضرت کے الفاظ کے چناؤ کو دیکھیں، فرمایا: میرے خاطر فاطر میں یہ آیا کہ میں اس پر کچھ لکھوں۔ خاطر فاطر کا کیا مطلب ہے؟ فاطر اسے کہتے ہیں جو ویسے ہی ادھر ادھر کی چیزیں لکھتا ہے، کام کی چیزیں نہیں لکھتا، جیسے کہتے ہیں: فلاں فاطر العقل ہو گیا۔ گویا اس میں حضرت نے اپنے آپ کی طرف یہ نسبت کی ہے۔ لیکن اس کو کتنا ضروری سمجھ رہے ہیں کہ میں اس پر کچھ لکھوں۔ اور پھر حضرت نے لکھا ہے۔ اور یہ ایک مکتوب ہے، جو تقریباً انتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اتنی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہے کہ ہماری اس مکتوب شریف تک رسائی ہو گئی اور اس میں ہمیں یہ چیزیں حضرت کی طرف سے مل گئیں۔ لہٰذا حضرت نے اس کا رونا رویا ہے کہ اگر ایسے لوگوں کو اجازت مل جائے، تو اس کا نقصان یہ ہو گا کہ خود اس کی ترقی بھی رک جائے گی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا شیخ زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ لکھا ہے۔ فرمایا: میں بعض لوگوں کو جانتا ہوں، بڑے اچھے چل رہے تھے، پھر کسی نے ان کو اجازت دی اور ان کا گلا کاٹ دیا۔ چنانچہ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ دھوکے میں پڑا رہتا ہے اور دوسرے لوگ بھی دھوکے میں آ جاتے ہیں اور نقصان ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ سب سے بڑا دھوکہ کس چیز کا آتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی اتنی تربیت نہیں ہوئی ہوتی، آج کل لوگوں کی تربیت کہاں ہے؟ نتیجتاً جن کو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں، ان کی ہر چیز کی تاویل کرنے کو فرض سمجھتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں شریعت کو ہلکا سمجھتے ہیں، یہ خطرناک بات ہے۔ اب یہ بات کدھر پہنچ گئی؟ مثلاً: وہ عورتوں کے معاملہ میں احتیاط نہیں کرتا، تو لوگ کہتے ہیں: یہ بزرگ ہیں، ان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ خدا کے بندے! شریعت تمہاری ملکیت نہیں ہے، اللہ کی ہے۔ اس میں تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کو کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط فرمائی ہے، صحابہ کرام کو احتیاط کروائی ہے۔ صحابی سے مراد وہ ذات ہے، جو تمام اولیاء سے اونچی ہو۔ لہٰذا صحابہ تمام اولیاء سے اونچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون مسئلہ پوچھنے لگی تو ایک صحابی کی نظر ویسے ہی ادھر ہو گئی، بالکل ایسے ہی جیسے بعض دفعہ انسان خالی الذہن ہوتا ہے اور کسی چیز

کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے، تو ایسا ممکن ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انگلی مبارک سے ان کے چہرے کو موڑ دیا۔ اس لئے موڑ دیا تاکہ ان کی نظر نہ پڑ جائے، اور یہ نظر شیاطین کی طرف سے ہے، جس سے نقصان ہو جائے گا۔ لہٰذا جو حضرات اس معاملہ میں احتیاط نہیں کرتے، وہ مختلف فتنوں میں پڑ سکتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ماشاء اللہ اس بارے میں پورا شرح صدر تھا اور وہ اس پہ کافی زور دیتے تھے۔ چنانچہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ پیر سے کیا پردہ؟ حضرت نے کافی مواعظ میں یہ باتیں کی ہیں کہ پیر سے بھی ایسے ہی پردہ ہے، جیسے ایک عام غیر محرم سے ہے۔ پیر زیادہ خطرہ میں ہوتا ہے، کیونکہ پیر کے پاس جو خواتین آتی ہیں، وہ اپنی حفاظت نہیں کرتیں۔ باقی لوگوں کے پاس جائیں گی، تو اپنی حفاظت کریں گی۔ مثلاً: حجاب میں ہوں گی، خیال رکھیں گی۔ اس وقت ان کے اوپر اس پیر کے تقدس کا حال اتنا غالب ہوتا ہے کہ وہ اتنی حفاظت کے ساتھ نہیں جاتیں، لہٰذا اس سے نقصان ہو جاتا ہے۔ اُس کا بھی نقصان ہو جاتا ہے اور اِدھر بھی نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس وقت بہت ضروری ہیں۔ اور اس کی جڑ وہی ہے، جو مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب شریف میں فرمایا کہ بغیر نفس کے تزکیہ کے صرف دل کی اصلاح پر اجازت دینے سے نقصان ہوتا ہے۔

متن:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (المائدۃ: 54) "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس کو مل گیا"۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علمِ تلوین اور تمکین میں خوب بالغ نظر تھے اور پوری مہارت رکھتے تھے۔ "اَلتَّلْوِيْنُ صِفَةُ أَرْبَابِ الْأَحْوَالِ وَالتَّمْكِيْنُ صِفَةُ أَصْحَابِ الْحَقَائِقِ" یعنی تلوین اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین اَصحابِ حقائق کی صفت ہے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ حال تبدیل ہو رہا ہوتا ہے، تو لون بھی تبدیل ہو رہا ہوتا ہے۔ حال کبھی بھی یکساں نہیں رہتا۔ "اَلْاَحْوَالُ مَوَاهِبُ" لہٰذا احوال کنٹرول میں نہیں ہوتے۔ بلکہ جیسے جیسے اللہ پاک جو جو طاری کر دے، بس وہی ہو گا۔ لہٰذا وہ کبھی ہنس رہا ہے، کبھی رو رہا ہے، کبھی خوش ہے، کبھی خَفا ہے۔ یہ تلوین غلبۂ حال کی وجہ سے ہے اور تمکین مقامات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کسی ایک مقام پہ قائم (establish) ہو جانے

کو تمکین کہتے ہیں۔ میرے خیال میں establish کا لفظ تمکین کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ تمکین میں حقائق کا ادراک ہو جاتا ہے، یعنی اس مقام کے لحاظ سے جو حقائق ہوتے ہیں، ان کا ادراک ہو جاتا ہے، اور وہ اس ادراک کے ساتھ اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ انہی کو اصحابِ تمکین کہتے ہیں۔

متن:

تلوین اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین اَصحابِ حقائق کی صفت ہے۔ سالک جب تک سلوک کے مقامات طے کر رہا ہو، اس کو صاحبِ تلوین کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اِس مقام سے وہ شخص فائدہ اور لطف اُٹھا سکتا ہے، جو کہ قلبِ سلیم رکھتا ہو، اور قلبِ سلیم اُس دل کو کہتے ہیں، جو کہ بیس خصلتوں سے معمور ہو اور بیس خصلتوں سے خالی ہو۔ (وہ جو پہلے بیان کی گئیں) اُن اوصاف کی تفصیل جن سے دل خالی ہونا چاہئے، وہ خصائل یہ ہیں: 1۔ شرک، 2۔ نفاق، 3۔ عداوت، 4۔ طمع، 5۔ امل (امیدیں)، 6۔ جزع (یعنی فریاد کرنا)، 7۔ حرص، 8۔ شک، 9۔ جہل، 10۔ گناہ پر اصرار کرنا، 11۔ تکبر، 12۔ بخل، 13۔ قنوطیت، 14۔ احسان جتانا، 15۔ حسد، 16۔ دھوکہ دینا، 7۔ ملاوٹ کرنا، 18۔ بد گمانی کرنا، 19۔ جھٹلانا، 20۔ سُخط (یعنی بے صبری دکھانا، ناراضی کا اظہار کرنا)۔ اور وہ خصلتیں جن سے دل معمور ہونا چاہئے، یہ ہیں:

1۔ توحید، 2۔ اخلاص، 3۔ نصیحت، 4۔ زہد، 5۔ قناعت، 6۔ یقین، 7۔ علم، 8۔ تفویض، 9۔ لوگوں سے کنارہ کشی، 10۔ امیدیں مختصر کرنا، 11۔ صبر کرنا، 12۔ کسی پر احسان نہ جتانا، 13۔ سخاوت، 14۔ توبہ کرنا، 15۔ تواضع کرنا، 16۔ خوف، 17۔ اُمید رکھنا، 18۔ بھوک، 19۔ نیک گمان کرنا، 20۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے محبت کرنا۔ قطعہ:

؎

تخشی کار کار تمکین است
ایں نصیحت زمن بگوش پذیر

گر تو خواہی بدیں جناب رسی
بست خصلت گزار و بست بگیر

"اے نخشبی! یہ بات عزت کا کام ہے اور تم مجھ سے یہ نصیحت کان کھول کر سنو، اگر تم چاہتے ہو کہ اس مقام تک تمہاری رسائی ہو جائے، تو بیس خصلتوں کو چھوڑ کر بیس خصلتیں اختیار کر"۔

تشریح:

میں آپ کو ایک بات عرض کروں۔ لوگ سمجھیں گے کہ ان بیس خصلتوں کو اختیار کرنا بڑا مشکل کام ہو گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ایک ہی ہوتی ہے۔ پھر ان سب کی تکمیل اپنی اپنی ہوتی ہے۔ مثلاً: دنیا کی محبت ان تمام بیس چیزوں میں ہو گی، جو منع کی گئی ہیں۔ اور دنیا کی محبت سے خالی ہونا اور اللہ کی محبت سے معمور ہونا بیس خصلتوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن تکمیل اپنے اپنے لحاظ سے ہونی چاہئے۔ چنانچہ دنیا کی محبت کو نکالنا اور اللہ کی محبت کو پانا؛ یہ جذب کے ذریعے سے ہے۔ لیکن ان چیزوں کی اپنی اپنی تکمیل سلوک کے ذریعے سے ہے۔ یہ دونوں چیزیں بیک وقت ہونی چاہئیں اور پوری پوری ہونی چاہئیں، تب ہی یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

متن:

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کو زبانِ حال عطا کی گئی تھی، اور زبانِ حال، زبانِ قال سے زیادہ بلیغ اور بہتر ہوتی ہے۔ وہ گروہ جن کی نظر تمام عبرت ہوا کرتی ہے اور اُن کی باتیں دِل میں اُترتی ہیں، اور ان کی باتیں فکر سے بھری ہوتی ہیں، اکثر زبانِ حال سے باتیں کرتے ہیں۔

تشریح:

میں آپ کو اس حوالے سے ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک بزرگ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے کو کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ بیان کر دیں۔ بیٹے نے بڑا ہی علمی بیان کیا، زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے، پورے علمی دلائل کے ساتھ سب کچھ بیان کیا، مگر لوگ ٹس سے مس نہیں ہو رہے تھے، کوئی تنکوں سے کھیل رہا ہے، کوئی پتھروں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کوئی کیا کر رہا ہے، کوئی کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے جب یہ حال دیکھا، تو فرمایا: آپ اتر آئیں۔ وہ اتر آئے، حضرت بیٹھ گئے اور بیان میں فرمایا:

روزہ رکھنے کا ارادہ تھا، اس کے لئے دودھ رکھا تھا، سحری کے وقت اٹھا، بلی آئی اور اس نے دودھ کو گرادیا۔ سارے لوگ رونے لگے۔ حضرت کا بیٹا بڑا حیران ہوا۔ جب لوگ چلے گئے، تو اس نے حضرت سے پوچھا: حضرت یہ کیا بات ہے؟ میں نے اتنی علمی گفتگو کی، لوگوں کو بالکل پتا ہی نہیں چلا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ نے جو گفتگو کی، وہ نہ کوئی علمی تھی، نہ کوئی حقائق کی بات تھی، ایک معمولی واقعہ ہے کہ بلی آگئی۔ یہ تو ہوتا رہتا ہے، اس پر لوگ اتنا دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا: بیٹا! تو زبان سے بات کرتا ہے، میں دل سے بات کرتا ہوں۔ چنانچہ جو زبانِ حال سے بات کرنے والا ہوتا ہے، اس کا اپنا اثر ہوتا ہے۔ بات جو دل سے نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے۔

متن:

اور وہ باتیں دِل میں اترتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے دل! تو سب اعضا کا سردار ہے اور تمام اندراموں کا بادشاہ ہے، اور بادشاہوں سے آبادی اور ملک کی شادابی کی امید کی جاتی ہے، نہ کہ ملک کی خرابی کی۔ اور اسی طرح اپنے نفس کے ساتھ بھی گفت و شنید کرتے ہیں اور اسی طرح دیگر اشیاء کے ساتھ بھی باتیں کرنے لگتے ہیں، ان کے کلام کے درمیان کوئی پردہ نہیں کرتا، اور ان کی باتیں نا قابلِ فہم نہیں ہوتیں۔

تشریح:

نا قابلِ فہم وہ باتیں ہوتی ہیں، جو انسان کے محسوس نظام سے باہر باہر ہوں۔ لیکن جو محسوس نظام میں آجاتی ہیں، وہ نا قابلِ فہم نہیں ہوتیں۔ جیسے: آپ گاؤں والوں کے اندر بیٹھ کر گاؤں کی باتیں کریں، جیسے دیہاتی اور کسان باتیں کرتے ہیں، تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں اور ان کو سمجھ بھی آتی ہے۔ اسی طرح سے جن کے پاس آپ بیٹھے ہیں، اگر آپ قدرتی انداز (Natural tone) میں باتیں کریں گے، تو وہ ساری باتیں سمجھیں گے۔ ان کو کوئی پروا نہیں ہو گی۔ اور اگر آپ Natural tone سے آگے پیچھے ہٹ کے تصنُّع (بناوٹ) میں جائیں گے، تو تصنع والی باتیں مشکل ہوتی ہیں۔ چاہے جتنے لوگ واہ واہ کریں، لیکن واہ واہ سے بات سمجھ تو نہیں آتی، وہ صرف واہ واہ ہوتی ہے۔

متن:

اور زبانِ حال، زبانِ قال سے زیادہ فصیح ہوتی ہے۔ اس بات کو وہ لوگ سمجھ پاتے ہیں، جن کو فہم و فکر کی نعمت ودیعت ہوتی ہے۔

آں حضرت صاحب کے دیگر اوصاف اور خواص میں سے ایک خاصیت حضرت صاحب کا فقر ہے، ان کے حال کے آغاز و انجام اور باطن و ظاہر میں فقر تھا۔ مسیح صاحب جو کہ فقر کے سمندر کے ملنگ تھے، وہ فرماتے تھے کہ "اَلْفَقْرُ مَشَقَّةٌ، قَدْ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَقَالَ یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ! مَا الْفَقْرُ؟ قَالَ: "خَزَائِنٌ مِنْ خَزَائِنِ اللّٰهِ تَعَالٰی فِی الدُّنْیَا وَمُرٌّ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْغِنَا مُرٌّ فِی الدُّنْیَا وَمَشَقَّةٌ فِی الْاٰخِرَةِ" (لم أجد ہذا الحدیث)

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر پوچھا کہ فقر کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فقر دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے خزانہ ہے اور آخرت میں تلخی اور کڑواہٹ ہے، اور غنا دنیا میں تلخی ہے اور آخرت میں مشقت ہے"۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کیا درویش کے لئے جائز ہے کہ کسی سے کوئی چیز لے لے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر وہ جانتا ہو کہ وہ اسی وقت کسی دوسرے شخص کو دے دے گا، تو وہ لے لے۔ درویش وہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ اور اگر ہو بھی، تو اُس کی کوئی چیز نہ ہو۔ اور جو کوئی اپنی زندگی میں گوشۂ گمنامی میں رہے، تو وفات کے بعد وہ تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ "فَطُوْبٰی لِمَنْ لَّا یَعْرِفُ النَّاسَ وَلَا یَعْرِفُوْنَهٗ" "وہ آدمی خوش نصیب ہے جو کہ لوگوں کو نہ پہچانتا ہو اور لوگ بھی اِس کو نہیں پہچانتے"۔ اور جو کوئی اپنے دورِ حیات میں اپنی مشہوری اور شہرت کے لئے کوشش کرے، وہ موت کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نام فرسودہ اور ذکرِ رفتہ ہو جاتا ہے۔

تشریح:

یہ تو واقعی ہم دیکھتے ہیں کہ جب مشاہیر فوت ہو جاتے ہیں، تو اس کے بعد ان کا کوئی نام نہیں ہوتا، ختم ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سیاسی طور پر لوگ ان کو زندہ رکھنا چاہیں، لیکن اصل میں کوئی ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ والے اپنا سب کچھ ختم کر کے فوت ہوتے ہیں، تاہم اس کے بعد ان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پھر اللہ جل شانہ ان کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں۔ بہر حال! یہ اللہ جل شانہ کا اپنا ایک نظام ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے کام کرتا ہے، وہ باقی ہوتا ہے اور جو فانی کے لئے کام کرتا ہے، وہ فانی ہوتا ہے۔

متن:

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کو ہمیشہ بھوکا رہنے کی جانب میلان تھا، اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بھوکا رکھا کرتے تھے۔ کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ وہ آدمی جو کہ بھوک کے دسترخوان سے صدیقین کا کھانا تناول فرماوے، تو اُس کا دوپہر کا کھانا نہیں ہوتا۔ عقلمند لوگ کہتے ہیں کہ بھوک کی تکلیف ایک پیسے سے دور کی جا سکتی ہے، مگر سیری اور بھرے پیٹ کی تکلیف ایک خزانے سے بھی دفع نہیں ہو سکتی۔

تشریح:

کیا زبردست عقل کی بات کی ہے۔ اس وقت کا ایک پیسہ آج کے لحاظ سے پچاس روپے ہوں گے۔ بھوک پچاس روپے سے دفع ہو سکتی ہے، لیکن بھرے پیٹ کی مشکلات لاکھوں سے بھی ختم نہیں ہوں گی۔

متن:

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا یہ زر و مال، گھوڑے، خادم وغیرہ نہیں، بلکہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "بَطْنُكَ دُنْيَاكَ" یعنی تمہارا پیٹ تمہاری دنیا ہے۔ جو لوگ کم کھاتے ہیں، وہ تارکانِ دنیا ہیں اور جو زیادہ کھاتے ہیں، وہ تارکانِ دنیا نہیں ہوتے۔ ایک شخص نے ایک درویش سے عرض کیا کہ مجھے عبادت کرنا سکھا دیجئے۔ درویش نے پوچھا کہ تُو طعام کس طریقے سے کھاتا ہے؟ خوب سیر ہو کر کھاتا ہے یا کہ آدھے پیٹ کھاتا ہے؟ اُس نے کہا کہ پیٹ بھر کر کھاتا ہوں۔ درویش نے جواب دیا کہ سیر ہو کر کھانا جانوروں کا کام ہے، پہلے جا کر کھانا سیکھ لو، اس کے بعد میرے پاس آ جاؤ، تاکہ تمہیں عبادت کرنا سکھا دوں۔

تشریح:

یہ جو آج کل لوگ dieting کرتے ہیں، یہ کس لئے کرتے ہیں؟ اپنی صحت کو بہتر کرنے کے لئے وزن کم کرتے ہیں۔یہی عام (general) بات ہے۔ اب نیت اپنی صحت کو بہتر کرنا ہے، جو ایک دنیاوی چیز ہے اور جو اپنی روحانیت کو برقرار رکھنے کے لئے کم کھاتے ہیں، ان کی نیت کیسی ہے؟ نقل تو ان کو بھی ہوتا ہے جو دنیا کے لئے

کرتے ہیں، کیونکہ اس سے وہ ثقل کو دور کرتے ہیں۔ جیسے پیٹ بڑھتا ہے یا اس قسم کی دوسری چیزیں ہوتی ہیں، اسی لئے وہ کم کھاتے ہیں۔ گویا وہ دنیا کی ایک چیز کو کم کر رہے ہیں دنیا کے لئے، لیکن جو لوگ اس دنیا کی چیز کو کم کر رہے ہوں آخرت کے لئے یعنی روحانیت کے لئے، ان کی کیا بات ہے! کیونکہ کم تو دونوں کر رہے ہیں، اور کمال کی بات یہ ہے کہ وہ کس لے لئے کر رہے ہیں، جو اس کے subset کے طور پر یہ بھی ہے۔ اس لئے یہ ساری چیز نہیں ملے گی، وزن تو کم ہو ہی جائے گا۔ جو کم کھاتا ہے، چاہے وہ آخرت کے لئے کم کھا رہا ہے، اس کا بھی وزن کم ہو گا۔ بیماریاں کم لگیں گی، پریشانیاں کم ہوں گی۔ وہ چیز بھی مل جائے گی، لیکن اصل چیز یعنی روحانیت بھی ملے گی۔ نفس سے روح کو آزاد کر دیں گے۔ ایک دفعہ ایک صحابی روشن دان بنا رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ کس لئے بنا رہے ہو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اس میں سے روشنی آئے گی اور ہوا آئے گی۔ فرمایا: اگر اس نیت سے بناتے کہ اس میں آذان کی آواز آئے گی، تو روشنی بھی آ جاتی، ہوا بھی آ جاتی۔ لیکن ثواب بھی ہوتا۔ جیسے حدیث میں آتا ہے: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1) لہٰذا کسی عمل کی روحانیت کے بڑھانے کے یہ چیز (یعنی کم کھانا) ہے۔

متن:

روایت ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں بھرے پیٹ والے کے ساتھ نماز میں معانقہ کرتا ہوں، (یعنی اُسے گلے لگاتا ہوں) اور بھوکا آدمی اگر نیند میں بھی ہو، تو میں اُس سے دور جاتا ہوں۔ اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو آدمی پیٹ بھر کر کھائے، تو نماز کے باہر بھی شیطان کا اس پر تسلط اور غلبہ ہو گا۔ اور وہ بھوکا آدمی جو کہ نماز پڑھ رہا ہو، شیطان اُس سے کتنی زیادہ دوری اور نفرت کرتا رہے گا۔ پس درویش سے کم کھانا، کم کہنا اور کم سونا مُراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ علم سے مقصود عمل اور شمع سے مطلب روشنی کا حصول ہے، نہ کہ علم سے مُراد حکایت اور روایت کا رٹنا اور تکرار کرنا، کیونکہ جاننا ایک علیحدہ کام ہے اور اس پر عمل کرنا دوسرا کام ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

توضیح المعارف

قسط نمبر: 17

فلسفہ، سائنس اور معرفتِ الٰہی

بارہواں حصہ

جبروتی حب

باطن الوجود یا عالمِ عقلی ایک ایسا جہان ہے جو ہر قسم کی مادی آلائش سے پاک اور بلند ہے۔ یہ جہاں خالق کی ذات (لاہوت) سے ہی متعلق ہے اور اسی میں گم ہے۔ اس کی ظاہر الوجود سے جو مخلوقات کا عالم ہے، کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں جہانوں میں ربط کس شئ کے ذریعے قائم ہوا؟

صوفیائے کرام کے مطابق یہ ربط ایک مقدس جذبے کے توسط سے قائم ہوتا ہے جسے حبِّ جبروتی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ہمیں ایک شخص کا علم ہے۔ تو یہ علم ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں دوسری بہت سی معلومات کے ساتھ چھپا پڑا ہے۔ لیکن اگر ہمیں بالفرض اس شخص سے شدید محبت ہوجائے تو اس شخص کا تصور ہمارے ذہن کی شعوری سطح پر اس طرح نمایاں ہوجاتا ہے کہ گویا وہ سامنے موجود ہو۔ گویا محبت نے معلوم کو محسوس بنا دیا۔ یا پھر آپ اس شخص کی حالت پر غور کریں جس کو گالی دی گئی ہو اور اس کا چہرہ لال ہوگیا ہو۔یہاں بھی ایک جذبے(غصہ) نے گالی کے چند الفاظ کو، جو معلومات کا درجہ رکھتے ہیں، محسوس بنا دیا۔یہاں تک کہ اثر ذہن سے جسم تک پہنچ گیا۔

یعنی جذبہ علم کو متحرک اور متمثل کر دیتا ہے۔ علم اور محسوسات اپنا اپنا جداگانہ domain رکھتے ہیں۔ ذہنی علم سے کوئی خارجی شئ خود بخود وجود میں نہیں آتی، جب تک کہ کوئی جذبہ اس علم کے ساتھ پیوست نہ ہو۔

یہی اصول لاہوت میں اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات سے محبت پر بھی منطبق ہوتا ہے،

جو حبِّ جبروتی کہلاتی ہے۔ کائنات میں جتنی بھی محبتیں، شفقتیں اور رحمتیں ہیں، وہ اسی مقدس محبت کی شعاعیں ہیں۔ یہ محبت، مخلوقات کی محبت کے خواص مثلاً تغیر و تبدیلی یا قلق بے چینی وغیرہ سے پاک اور منزہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی ذات مقدسہ یا مرتبہ لاہوت ہی سے قائم ہے۔

باطن الوجود کے مقدس مرتبے اور ظاہر الوجود میں حد درجے کی بے مناسبتی ہے۔ حبِّ جبروتی کس طرح ان دو جہانوں میں ربط پیدا کرتی ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے اوپر انسان کی اپنی نفسیات میں سے محبت اور غضب کے جذبات کی مثال دی گئی۔ اسی حقیقت کو دوسری طرح سمجھانے کے لیے کمپیوٹر کی مثال بھی دی جاسکتی ہے۔ جیسے کمپیوٹر کے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کے درمیان موجود DLL فائل (dynamic link library) سافٹ وئر میں دی گئی ہدایات کو ہارڈ وئر کے لیے قابلِ عمل بناتی ہے۔ بالکل اسی طرح، باطن الوجود کے حقائق سے ظاہر الوجود میں اثر پذیری حبِّ جبروتی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے — ایک الوہی DLL کی مانند۔

خلاصہ یہ کہ لاہوت کا مرتبہ جو وراء الوراء ہے، میں اس بلند مقام کے شایان دو خصوصی امور کارفرما ہیں، ایک علم اور دوسری محبت۔ جو خاص علم لاہوت کو خود اپنی ذات کا حاصل ہے، اور اسی میں مخلوقات کا علم مندرج ہے۔ اس کو باطن الوجود کہتے ہیں۔ دوسری طرف لاہوت کی اپنی ذات سے ایسی محبت جس میں تمام مخلوقات کی محبت مندرج ہے۔ اور یہی محبت تمام مخلوقات کے ظہور میں آنے کا واسطہ ہے۔ اس کو حبِّ جبروتی کہتے ہیں۔ حبِّ جبروتی کو مخلوقات کے مابین محبت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری محبت حادث اور تغیر پذیر ہے۔ اس میں مطلوب کے حاصل ہونے پر فرحت اور اس کے نہ ملنے پر شوق یا قلق پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حبِّ جبروتی ان سے پاک اور منزہ ہے۔ کیونکہ یہاں پر محبوب عین مُحِبّ ہے۔ اس لیے ہجر اور فراق کے تصور کا یہاں امکان بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مناسب اور قابل تعریف ہیں۔ مخلوق کے لئے وہ صفت پسندیدہ نہیں۔ جیسے بڑائی یا تکبر کی صفت۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات سے محبت بھی اسی قسم کی صفت ہے۔

انسان بھی فطرتاً اپنی ذات کا عاشق ہے اور اس کے ہر عمل کا محور اس کی ذات ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ لاہوت کی محبت تک رسائی چاہتا ہے تو اُسے اپنی ذات کی محبت کو ترک کرکے اللہ کی محبت اپنانی ہوگی۔

یہ سفر تین مراحل پر مشتمل ہے:

1. انسان کو پہلے اپنی ذات کی محبت کو اپنے شیخ کی محبت کے تابع کرنا ہوگا۔

2. جب وہ یہ دیکھے کہ اس کا شیخ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق ہے، تو اسے بھی ان کی محبت حاصل ہو جائے گی۔

3۔ پھر اسی محبت کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچ جائے گا۔ جو اصل مقصد ہے۔

تربیت کے میدان میں اس حقیقت کا استعمال

مشائخِ نقشبند اور دیگر صوفی بزرگ، اس حقیقت کو سالکین کی تربیت میں بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں علم و عمل کو جوڑنے والا پُل جذبہ ہی اصل کنجی ہے۔ وہ سالک کو پہلے دینی علم کی بنیادوں پر استوار کرتے ہیں، پھر جذبے کے ذریعے اس علم کو عمل میں ڈھالتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ محض علمی معلومات کافی نہیں، جب تک کہ دل اس میں شریک نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محض معلومات پر انحصار، عمل کی ضمانت نہیں دیتا۔ لیکن اگر جذبہ شامل ہو جائے تو یہی علم متحرک ہو کر اثر دکھاتا ہے۔ صوفیا اسی حقیقت کو سالکین کی تربیت میں بروئے کار لاتے ہیں۔ وہ عقل اور نفس کو جذبے یا قلب کے ذریعے جوڑتے ہیں۔ اس حقیقت سے ناواقف لوگ محض دینی معلومات پر اکتفا کرکے عمل سے محروم رہ جاتے ہیں۔

فیوضاتِ خانقاہ: ایک نظر معمولات پر

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ، راولپنڈی کا ماحول سراپا نور و معرفت ہے، جہاں روزانہ روحانی تربیت، علمی دروس، اور اصلاحی مجالس کا تسلسل جاری ہے۔ حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی علالت کے باعث اس وقت خانقاہ کے مختلف معمولات آپ کے خلفا کے زیرِ انتظام جاری ہیں، جن سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ اس خاکے میں خانقاہ کے ہفتہ وار معمولات کی جھلک پیش کی جا رہی ہے، تاکہ قارئین کو اس روحانی نظام سے واقفیت اور رغبت حاصل ہو:

روزانہ (صبح) نمازِ فجر کے بعد روزانہ تین مختصر مگر پُراثر بیانات ہوتے ہیں:

درسِ قرآن

ریاضُ الصالحین سے ایک حدیث شریف

مطالعۂ سیرت بصورتِ سوال و جواب

(بیان: حضرت مفتی محمد صدیق عمر صاحب دامت برکاتہم)

جمعۃ المبارک:

ختمِ قرآن، مجلسِ درود شریف، اور جمعہ کی آخری گھڑیوں (عصر تا مغرب) میں خصوصی دعا (بیان: حضرت سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)

ہفتہ:

نمازِ مغرب کے بعد:

"فہم التصوف" از حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

"تربیت السالک" از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

(درس: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار):

مرد حضرات کے لیے اصلاحی و تربیتی جوڑ:

مجلسِ ذکر

مسنون اعمال کی تعلیم
نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات
ختمِ قرآن و نمازِ اشراق

اتوار:

11:00 تا 12:00 بجے (خواتین کے لیے اصلاحی بیان)
شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ
(بیان: حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم)
نوٹ: ہر ماہ کسی ایک اتوار کو صبح 9 تا 12 بجے خواتین کا خصوصی تربیتی جوڑ ہوتا ہے (فی الحال حضرت کی علالت کے باعث موقوف ہے)

نمازِ مغرب کے بعد:
"انفاسِ عیسیٰ" کا درس
(بیان: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

رات 08:30 بجے:
انگریزی بیان
(بیان: حضرت زین العابدین صاحب دامت برکاتہم)

پیر:

بعد نمازِ عصر:
پشتو بیان
(بیان: حضرت حافظ جلال محمود صاحب دامت برکاتہم)

بعد نمازِ مغرب:
اصلاحی سوالات کے جوابات (موصولہ وٹس ایپ، ای میل، ٹیلی فون کے ذریعے)
(جوابات: حضرت ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

منگل:

نمازِ مغرب کے بعد:
مثنوی شریف کے اشعار کا اردو ترجمہ و تشریح
(بیان: حضرت عامر عثمان صاحب دامت برکاتہم)

بدھ:

نمازِ مغرب کے بعد:
مکتوباتِ امام ربانیؒ کا درس
(بیان: حضرت حسین احمد صاحب دامت برکاتہم)

جمعرات:

نمازِ مغرب کے بعد:
"اسوۂ رسول اکرم ﷺ" از ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا درس
درودِ تنجینا کی مجلس (ہزار مرتبہ)، نعت شریف، چہل درود، اور مناجاتِ مقبول سے دعا۔ (بیان و دعا: حضرت سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)

یہ معمولات صرف وقت کی ترتیب نہیں بلکہ ایک روحانی نظامِ تربیت کی آئینہ دار ہیں۔ جو حضرات و خواتین اللہ کی طرف رجوع، قلبی طہارت، اور سلوک و تصوف کے حقیقی معانی سے آشنا ہونا چاہتے ہوں، ان کے لیے یہ خانقاہی نظام ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ آئیں، ان مبارک لمحات سے استفادہ کریں، اور اپنا تعلق ذکر، فکر اور عمل سے مضبوط بنائیں۔

ان بیانات کو براہِ راست سننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: live.tazkia.org

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناًفاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

0315 5195788 حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے

www.tazkia.org